IHBD
نظریات
حسن مدنی ندوی

نظریات

حسن مدنی ندوی

احمد بک اسٹور، لکھنؤ

نام کتاب	:	نظریات
مصنف	:	حسن مدنی ندوی
سن اشاعت	:	۲۰۲۴ء
صفحات	:	۱۵۲
قیمت	:	۲۰۰ روپے
ناشر	:	احمد بک اسٹور
		شباب مارکیٹ، ٹیگور مارگ، ڈالی گنج، لکھنؤ، یوپی - 226020
فون نمبر	:	7617765726
مطبع	:	زاویہ پرنٹ، نئی دہلی

NAZARIYAAT

Auther:Hasan Madni Nadwi

Pages: 152, Price :200

Year of Publication

2024

ISBN

978-81-980470-1-4

Instagram I'd

ahmad_book_store

ان مضامین اور تجزیوں کا مجموعہ جو مختلف موضوعات پر مختلف حالات میں لکھے گئے اور ملی رسالوں اور قومی اخبارات میں شائع ہوئے۔

انتساب

ملت کے نام

فہرست

نظریات

مقدمہ

ڈاکٹر اعظم صدیقی ندوی

حسن مدنی ندوی صاحب کی زیر نظر کتاب ”نظریات“ کو پیش کرتے ہوئے مجھے بے حد مسرت ہو رہی ہے۔ یہ کتاب مسلمانوں کے موجودہ حالات اور مسائل پر ایک فکری اور تحلیلی انداز میں روشنی ڈالتی ہے۔ حسن مدنی ندوی صاحب نے کم عمری میں ہی اللہ تعالی کے فضل و کرم سے گوناگوں صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ایک وسیع علمی اور فکری سفر کا آغاز کیا۔ ان کی اس کاوش میں قیادت وسیادت، تجارت وسیاحت اور دینی وملی خدمات کا عمیق تجربہ شامل ہے۔

علم وفکر کی دنیا میں جہاں نظریات کی کثرت پائی جاتی ہے، وہاں سچائی اور حق کا معیار قائم کرنا ایک بہت ہی حساس اور نازک فریضہ ہوتا ہے، حسن مدنی ندوی کی تصنیف ”نظریات“ اسی فکری جدوجہد کا مظہر ہے جس میں انہوں نے اپنے تجربات، مشاہدات اور مطالعات کو انتہائی خوبصورتی سے صفحہ قرطاس پر منتقل کیا ہے۔ اس تصنیف میں شامل مضامین ہندوستان کے مختلف معروف اخبارات ورسائل میں شائع ہونے والے طویل عرصہ پر محیط فکری مضامین کا مجموعہ ہیں، جو مختلف علمی وفکری موضوعات کو زیر بحث لاتے ہیں، ندوی صاحب کے نظریات اس حقیقت کا آئینہ دار ہیں کہ مسلمانوں کو آج کے پیچیدہ عالمی اور ملکی مسائل کا سامنا کرتے ہوئے نئے زاویوں سے سوچنے اور عملی قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ ان کی تحریریں اسلام کے عالمگیر پیغام اور مسلمانوں کی ماضی کی کامیاب مثالوں کو مدنظر رکھتے ہوئے، آج کے مسلم نوجوانوں کو بیداری اور خودشناسی کی دعوت دیتی ہیں۔

”نظریات“ مختلف عنوانات کے تحت مضامین کو منظم کرتا ہے، جیسے کہ روایات، تجزیات، مشاہدات، مذہبیات، سرمایہ جات، نگارشات، اور سفریات۔ ہر باب میں شامل ذیلی مضامین قاری کو

ایک فکری سفر پر لے جاتے ہیں جہاں تاریخ، تہذیب، ادب، سیاست، اور مذہب کے مختلف پہلوؤں
پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

روایات کے باب میں، ندوی صاحب نے غیر مذہبی اثرات کے تحت مسلمانانِ ہند پر مرتب ہونے
والے منفی اثرات اور ان کے ممکنہ نقصانات کو نہایت دانشمندی سے بیان کیا ہے۔

اکیسویں صدی کا فکری انقلاب اس عنوان کے تحت موجودہ دور میں فکری انقلاب کی ضرورت
کو اجاگر کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو اپنے حالات کا خود جائزہ لیتے ہوئے ایک نئے فکری انقلاب کی ضرورت
محسوس کرنی ہوگی تاکہ وہ ماضی کے تجربات سے سیکھتے ہوئے مستقبل کی راہوں کو ہموار کرسکیں۔ اس
انقلاب کا مقصد صرف ذہنی اور علمی بیداری نہیں، بلکہ عملی قدم اٹھانے کی تحریک بھی ہے۔ اس کے ساتھ
ساتھ امت مسلمہ کے مسائل اور ان کے حل اور اسلامی حکومت اور سیکولر جمہوریت کے مابین فرق جیسے
مضامین وموضوع بحث بنایا گیا ہے۔ یہ مضامین فکری استدلال اور تجرباتی تجزیے کا بہترین نمونہ ہیں جو
قاری کو سوچنے پر مجبور کرتے ہیں، وہیں مشاہدات میں جامعہ ملیہ واطراف دہلی میں ہوئے غیر آئینی
قوانین کے خلاف مظاہرات کی کارگزاری قلمبند کی گئی ہے جو وقت کی ضرورت بھی تھی اور یہ تحریر صدق
بیانی اور حقیقت کی عکاسی میں آئینہ دار ثابت ہوئی۔

نگارشات میں برادر حسن مدنی ندوی نے اپنی فکری پرواز کو ادب کے وسیع میدان میں سمیٹا ہے۔
علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور مصرعے ”غربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں“ کو عنوان بنا
کر وطن کی محبت اور اس کے لیے دل کی تڑپ کو نہایت جذباتی اور ادبی انداز میں پیش کیا ہے۔ اسی طرح
”تقلید کی روش سے بہتر ہے خودکشی“ جیسے مضمون میں دینی اور فکری تقلید کے موضوع پر اپنی گہری
سوچ اور دردمندی کو بیان کیا ہے۔

تجزیات کے باب میں، میں دلچسپ مضامین شامل ہیں، جیسے کہ ”آنلائن تعلیم: خصوصیات اور
رجحانات“ جو عصر حاضر میں تعلیم کے بدلتے ہوئے رجحانات کو پیش کرتا ہے۔ اسی طرح مذہبیات میں ”نبی
رحمت کی صفت رحمت عصر حاضر کے تناظر میں“ ایک نہایت عالمانہ بحث ہے، جو قاری کو موجودہ دور
میں امن اور سلامتی کے حقیقی مفہوم سے روشناس کراتی ہے۔ اسی طرح ”اقوامِ عالم میں مذہبی زیارات کی
اہمیت“ جیسے مضامین اسلامی تہذیب اور روایات کے تسلسل پر روشنی ڈالتے ہیں۔

سرمایہ جات کے باب میں مدارسِ اسلامیہ کا تنقیدی جائزہ، ندوہ العلماء کی علمی کاوشیں، اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بارے میں اہم موضوعات پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ یہ مضامین ہمارے تعلیمی وفکری سرمایہ کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے اور ان کی اصلاح کی ضرورت کی جانب متوجہ کرتے ہیں۔

آخری باب سفریات میں اہم سفرنامے شامل ہیں، جیسے "سفرنامۂ خیبر" اور "وادئ کشمیر"۔ یہ سفرنامے نہایت دلکش اور پر اثر انداز میں لکھے گئے ہیں، جنہیں پڑھتے ہوئے قاری خود کو ان حسین وادیوں میں گھومتا ہوا محسوس کرتا ہے وہیں ملیشیا کے سفر اور وہاں کی علمی فضا کے بارے میں مصنف نے اپنا علمی و سیاحتی تجربہ بیان کیا ہے جو طلباء کے لئے کافی مفید ثابت ہوسکتا ہے، علمی وعملی میدان میں مزید توسع کے لئے طلباء ملیشیا کی اسلامی یونیورسٹیز سے مستفید ہو سکتے ہیں اور اعلی تعلیم کے حصول کے لئے ان اداروں میں بآسانی داخلے لے سکتے ہیں۔

"نظریات" ایک نایاب اور گراں قدر تصنیف ہے، جو فکری، ادبی، اور تہذیبی لحاظ سے ایک اہم اضافہ ثابت ہو گی۔

حسن مدنی ندوی کی یہ کاوش نہ صرف مسلمانوں کے علمی وفکری ذخیرے میں ایک اہم باب کا اضافہ کرے گی بلکہ اس کتاب کے مضامین مختلف طبقات فکر کے لیے بھی تحقیق اور مطالعہ کے نئے دروازے کھولیں گے، میں امید کرتا ہوں کہ یہ کتاب پڑھنے والوں کے دلوں میں ایک نئ روح پھونکے گی اور انہیں موجودہ حالات کے چیلنجز سے نبرد آزما ہونے کے لیے فکری اور عملی رہنمائی فراہم کرے گی۔

محمد اعظم صدیقی ندوی

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

تقریظ

پیش نظر کتاب مضامین کا مجموعہ ہے جو مصنف نے گزشتہ عرصہ میں ہوئے واقعات اور حالات کو دیکھتے ہوئے قلمبند کئے ہیں، اس میں سیاسی مضامین بھی ہیں اور ثقافتی بھی، لازم نہیں کہ قارئین کو کتاب کی تمام باتوں سے اتفاق ہو اور تمام نظریات تسلیم شدہ ہوں چونکہ حالات کے ساتھ نظریات میں بدلاؤ ہوتا ہے، مگر ایک چیز تمام مضامین میں مشترک ہے، اور وہ ہے قلمکار کا ملت اسلامیہ سے رشتہ، ہر مضمون گواہی دیتا ہے کہ ملت کے مستقبل کو لیکر مصنف فکر مند ہیں اور قالب میں خوش انجامی کی آرزو ہے، وصال یار کی تمنا ہے۔

مصنف کا ادبیات پر مطالعہ اچھا ہے، قدم قدم پر برمحل اشعار زینت کتاب ہیں، مصنف میں وہ تمام بنیادی صلاحیتیں موجود ہیں، جو ان کو بڑے ندوی مصنفین میں داخل کر سکتی ہیں۔

عصر حاضر میں ضروری ہے کہ علمی وفکری مراجع کو حالات حاضرہ پر قیاس کر نتائج اخذ کرنے کے ساتھ ساتھ موجودہ مسائل کا حل بھی نکالا جائے جو نسل نو کے لئے نشان راہ ثابت ہو۔

ہندوستانی مسلمان تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہے ہیں، ان کے مسائل کا حل قرآن وحدیث کی روشنی میں نکالا جائے، قرون اولی کے مآخذ اور موجودہ دور کی تحقیقات کے باہمی تعاون سے مسائل کو حل کیا جائے اور ملت اسلامیہ کو علمی وفکری طور پر صحیح اسلامی تصور سے روشناس کرایا جائے۔

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

تمہید

زیر نظر مجموعۂ مضامین پر نظر ڈالی اور جستہ جستہ اس کا مطالعہ کیا ہے، اس میں شامل مضامین مفید محسوس ہوئے کوئی بھی فرد جسے اللہ تعالی نے علم دین سے نوازا ہو معاشرہ کی خرابیوں سے کڑھتا ہے اور ان کی اصلاح کے بارے میں فکرمند ہوتا ہے، پھر اسی سلسلہ میں عملی اقدام بھی کرتا ہے۔

اگر اللہ تعالی نے اسے خطابت کی صلاحیت سے نوازا ہے تو اپنے مواعظ وارشادات کے ذریعہ لوگوں کو ان چیزوں کی طرف متوجہ کرتا ہے، اور اگر اللہ تعالی نے لکھنے کی صلاحیت عطا کی ہے وہ اس کا استعمال کرتا ہے اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اپنی بات لوگوں تک پہونچاتا ہے اور اس میدان کا دائرہ بھی کافی وسیع ہے جس سے دور دور تک حق بات پہنچا کے کافی مواقع ملتے ہیں۔

عزیزم مولانا حسن مدنی ندوی تحریر وتصنیف میں عمدہ ذوق کے حامل ہیں اور ان کی یہ تصنیف سماجی، تعلیمی، ادبی اور دینی موضوعات پر ہے جو اخبارات و رسائل کی زینت بنتے رہے ہیں اور اب وہ ان کا مجموعہ شائع کر رہے ہیں، میں اس پر انہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں ان کا قلم رواں دواں رہے گا اور وہ اصلاح معاشرہ سے متعلق موضوعات پر برابر لکھتے رہیں گے۔

ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی

سکریٹری جماعت اسلامی ہند

پیش لفظ

نظریات ایک جامع مطالعے ومشاہدے کا خلاصہ ہے، یہ مجموعۂ مضامین ایک تمہید ہے جوملت اسلامیہ ہندیہ کی تاریخ، ثقافت، اوران کے موجودہ چیلنجز کا جائزہ لیتی ہے۔ یہ کتاب دراصل ایک دعوت فکر ہے، جوملت کو اس کے ماضی کی وراثت اور حال کی پیچیدگیوں کی طرف توجہ دلاتی ہے، تاکہ وہ اپنے مستقبل کی تشکیل میں بہتر طور پر کام کرسکیں۔ اس مجموعۂ مضامین میں نہ صرف تاریخی حقائق، بلکہ فکری و ثقافتی مباحث بھی شامل ہیں، جومسلمانوں کے اجتماعی تجربات کی عکاسی کرتے ہیں۔

یہ تحریر میرے دل کی آواز ہے، جوایک طویل عرصے سے جاری سوچ وفکر کا نتیجہ ہے۔ میرے پیش نظر یہ سوالات تھے: آج کے دور میں مسلمانان ہند کس طرح کے مسائل کا سامنا کررہے ہیں؟ ان کی شناخت کیا ہے، اوران کے مسائل کا حل کیا ہوسکتا ہے؟

ان مضامین کو تقریباً گزشتہ ۱۰ سال کے عرصے میں لکھا گیا ہے جومختلف اخباروں اور رسائل میں شائع ہوئے ہیں، ملت اسلامیہ ہندیہ کو جوصورتحال درپیش ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، قومی وبین الاقوامی طور پر یہ حالات موضوع گفتگو رہتے ہیں، مگر جب تک مسلمانان ہند اس سلسلہ میں کوئی علمی وعملی اقدام نہیں کریں گے، نصرت خداوندی حاصل نہیں ہوگی، بقول اقبالؒ، ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو! ، بحیثیت مسلمان دینی شعور کا ہونا انتہائی لازم امر ہے، جس کے بغیر ہندوستان توکیا روئے زمین پر کوئی پناہ گاہ نہیں ہوگی، اور یہ حقیقت ہے کہ دین پرعمل کرنے کی جوآزادی ہندوستان کے مسلمانوں کو ہے وہ آزادی اکثر اسلامی ممالک میں بھی نہیں ہے، اس کے باوجود ہمیں اغیار سے شکوہ ہے، کتاب میں مذکور مضامین مختصر اوراخباری کالم کے طور پر لکھے گئے ہیں ورنہ یہ موضوع اتنا اہم ہے کہ اس بارے میں جتنا لکھا جائے یا گفتگو کی جائے کم ہے، مگر یہ محض بحث وکلام نہیں بلکہ ملت کی زبوں حالی ہے، عصر حاضر میں کثیر تعداد میں ہونے کے باجود بھی ہم بے راہ روی، افراط وتفریط، بزدلی ونا امیدی، لاچاری وبے بسی کا شکار ہیں؛

چمن میں ہرطرف بکھری ہُوئی ہے داستاں میری ان داستانوں پر اقبال، ابو الکلام آزاد، محمد علی جوہر، سرسید، مودودی اور علی میاں ندوی و دیگر اکابرین ملت نے نہ صرف نظر ڈالی بلکہ ملت کے مستقبل کا لائحۂ عمل طئے کرنے میں عمر صرف کر دی، مگر رفتہ رفتہ ان پیغامات کو جزوی اور قرآنی ہدایات کو اصولی طور پر ملت نے فراموش کیا اور بدستور زوال کا شکار ہوتی رہی، علامہ اقبال نے مسلمانوں کی زبوں حالی کے دو اسباب بیان کئے:

(۱) مسلمانوں کی بحیثیت فرد اپنے اسلامی اخلاق و کردار سے محرومی

(۲) مسلمانوں کا بحیثیت ملت اسلام کے اجتماعی نظام کو ترک کرنا۔

شور ہے، ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود؟

اور ان اسباب کی بناء پر نہ صرف برصغیر بلکہ عالم عربی و اسلامی کا جو اجتماعی و انفرادی نظام بکھرا ہوا ہے وہ ایک المیہ ہے، جو عنقریب ایک Disaster کی صورت اختیار کر جائے گا، اگر عوام و خواص اس جانب متوجہ ہوتے ہیں اور ملت کے سوز و گداز کو سمجھتے ہیں تو شاید عہد وفا لوٹنے کی امید کی جاسکتی ہے، اسی مناسبت سے یہ مضامین امید کی ایک کرن کے طور پر لکھے گئے، جو ملت کی شناخت کے تحفظ اور مستقبل کی تعمیر کی جانب توجہ مبذول کرا سکیں، اور مسلمانوں کو ان کے ماضی، حال اور مستقبل کی طرف غور کرنے کی ترغیب دلا سکیں، امید ہے کہ یہ مجموعۂ مضامین قارئین کے لیے ایک قیمتی وسیلہ ثابت ہوں گے اور ان کے دل و دماغ میں نئی سوچ کے دروازے کھولیں گے۔

اُٹھ کہ خورشید کا سامان سفر تازہ کریں
نفس سوختہ شام و سحر تازہ کریں

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت سے نوازے اور ہمیں حق کی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

خیر خواہ

حسن مدنی ندوی

روایات

مسلمانان ہند پر غیر مذہبی اثرات اور اسکے نقصانات

مذہبی تعصبیت سے ہٹ کر برادران ہند خواہ وہ کسی مذہب یا معاشرے سے تعلق رکھتے ہوں یہاں ان کے مذہبی عقائد کے بارے میں لکھنا مناسب سمجھتا ہوں جو ان کی دینی روایات میں شامل ہیں نہ کہ معاشرتی واخلاقی اثرات جو کہ مثبت بھی ہیں اور دین اسلام کے منافی بھی نہیں ہیں، اکثریت کو دیکھا جائے تو بالعموم ہندوستان میں ہندو مذہب سے تعلق رکھنے والے زیادہ ہیں بانسبت دیگر مذاہب کے اور یہی وجہ ہے کہ عرصہ سے ہندوستانی معاشرہ پر یہ اثرانداز بھی ہیں، یہاں موضوع ہے ان روایات اور اثرات کا جو ہمارے معاشرے میں عام طور پر سماجی یا خاندانی سمجھی جاتی ہیں مگر وہ اسلامی عقیدے کے خلاف ہیں اور بسااوقات اس وعید سے بڑھ کر بھی ہوسکتی ہے جس میں ایمان جانے کا خدشہ ہوسکتا ہے، حدیث نبوی میں ہے: جو کسی گروہ سے مشابہت کرے تو انہیں میں اسکا شمار کیا جائے گا

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: «من تَشبَّه بقوم، فهو منهم»۔ [حسن] - [رواہ أبو داود وأحمد]

یہاں مشابہت کسی بھی شکل میں ہوسکتی ہے، لباس میں، رسم ورواج میں، اصول زندگی میں، اور اگر مشابہت اس سب سے بڑھ کر شرک کی طرف چلی جائے اور علانیہ طور پر ہو تو باتفاق وہ اسلام سے خارج کر دیتی ہے اور ارتداد کا سبب بنتی ہے۔

مروجہ اثرات وروایات کی تقسیم کی جائے تو دو بنیادی قسمیں ہیں۔

۱۔ معاشرتی روایات

۲۔ مذہبی روایات

ا۔ معاشرتی روایات:

اس میں وہ رسمیں شامل ہیں جو بالعموم ہمارے مسلم معاشرے میں پائی جاتی ہیں مگر اسلامی روایات سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، جیسے شادی کے موقع پر مروجہ رسومات، ہلدی، مہندی، منگنی، جہیز اور پیدائش و وفات کے موقع پر آٹھواں، چالیسواں، نام کرن، یہ اور اس جیسی دیگر رسومات کی ابتداء ہمیں ہندوؤں کے مذہبی کتابوں میں ملتی ہے اور رفتہ رفتہ یہ ہمارے معاشرے کو ایک سوغات کے طور پر ملتی گئی جسے ہمارے آباءواجداد Follow کرتے چلے گئے اور وَجَدۡنَا عَلَیۡہَا آبَاءَنَا کا مصداق نسل در نسل ہوتی چلی گئی، کہ ہم نے تو اپنے باپ داداؤں کو ایسا کرتے دیکھا، اور یہ خود اپنے آپ میں گمراہی ہے اور اسلامی احکام کی صریح خلاف ورزی ہے خواہ اس میں کتنا ہی خاندانی دباؤ کیوں نہ ہو یا نیک نیتی کیوں نہ ہو، اسلامی تاریخ میں ہمیشہ مسلمانوں نے اپنی مذہبی روایات کو دیگر قوموں میں عام کیا، علم وفن میں، اخلاق و روایات میں، صبر و بہادری میں، اقوام عالم نے انسانی زندگی کے طور طریقے مسلمانوں سے لئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسلام سر بلند رہتا ہے اور مغلوب نہیں ہوتا" تو کیونکر ان روایات پر عمل کیا جائے اور ان کو اسلامی معاشرے پر اثر انداز کیا جائے جب کہ وہ دیگر مذاہب نے اپنی مذہبی شناخت کو برقرار رکھنے کے لئے قائم کئے تھے، اور المیہ ہے کہ ہماری نسل اسی گمراہی کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے انا الحق کی دعویدار ہے، اور یہ ابتدائے مرض ہے یہاں سے آگے بڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جشن کے نام پر ہولی، دیوالی، جیانتی، دسہرہ، اور بسنت جو کہ اب تو پڑوس کے اسلامی ممالک میں بھی منائی جاتی ہے، کرسمس، سال نو کے جشن اور نوسگائیاں نہ جانے سال میں کتنے شب و روز ان تہواروں میں حصہ داری لی جاتی ہے جو یک نہیں دیگر مذاہب کا حصہ ہیں اور ان کے عقیدے میں شامل ہیں اور جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ صراحتاً حرام ہے، لیکن نسل نو برادرانہ تعلق اگر رسومات میں شمولیت کو سمجھتے ہیں تو یہ بھول ہے جس میں ہمارے مرد و زن، طلباء وطالبات، اور Modern زمانے کے تعلیم یافتہ اور خاندانی افراد جی رہے ہیں اور مستقبل کے لئے گمراہ کن نتائج کو جنم دے رہے ہیں، کیونکہ اسلام اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور ہمارے معاشرے میں اخلاقیات کا فقدان کس حد تک ہے اسکا ذکر کرنا ملت اسلامیہ ہندیہ کو شرمسار کر دے گا، علم وعلوم اسلامیہ جہاں اختلافی مسائل میں سمٹ کر رہ گئے اور اسلام کے بنیادی مضامین پر گفتگو کرنے کے بجائے اخلاق نبوی کا درس دینے کے بجائے رسہ کشی میں پڑ گئے وہی سمجھ کر یا نا سمجھی میں بہر حال ہمارا مسلم معاشرہ ان مروجہ روایات اور اثرات کی چپیٹ میں اس قدر آچکا ہے کہ اس میں بسا اوقات اسلامیت کا

وجود مٹ جاتا ہے،اور اس کے نقصانات دور نہیں بلکہ ماضی قریب میں واضح طور پر ہمارے سامنے نتائج کی شکل میں آرہے ہیں، مسلم لڑکیوں کا فرار ہوکر غیروں میں شادی کرنا، اسلامی روایات کی پامالی دور جدید کے ترقی یافتہ گھرانوں میں دیکھنا، دین سے بیزاری، دینی معاملات کو دقیانوس سمجھنے کے رجحانات، اصل واصول زندگی پر غیروں کا تسلط، سیاسی یا ذاتی مفاد کے لئے ان مروجہ رسموں کو ادا کرنا بلکہ انہیں بڑھاوا دینا،اور جس کے نتیجے میں خدا کی مار پڑی کہ اغیار پھر مسلط ہو کر ظلم وستم کی داستاں شب و روز قلم کر رہے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ مسلمانوں میں روح بلالی تو دور روح انسانی بھی نہ رہی، جو مذہب کے نہ رہے وطن کے کیا رہیں گے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں! جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

پیام انسانیت جو عام کیا جائے تو ممکن ہے صورتحال بہت مختلف ہو، تاریکی میں روشنی کی امید پھر سے اجاگر ہو اور نور کعبہ ومدینہ سے خود کو اور برادران وطن کو روشناس کرایا جائے، تعلیم واخلاق کا درس دیا جائے، یقیناً پھر عزت وفخر کا مقام ملیگا اور دنیا وآخرت میں بحیثیت مسلمان سرخرو ہوگا۔

ما سِوَی اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری
تُو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

۲۔ مذہبی روایات:

بدلتے زمانے کے ساتھ اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اب پیغام رسائی باآسانی ہر شخص تک پہنچ رہی ہے، تو ظاہر ہے مذہبی طبقہ بھی فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی بات عوام تک پہنچا رہے ہیں اور کامیابی کا درس دے رہے ہیں، اب یہ خود ان کی کامیابی ہے یا عوام کی یہ خدا جانے، فرمانے لگے پیر وجدان عرف ملنگ بیکراں غریب الغرباء سجادہ نشین آستانہ ومزار وغیرہ کہ: زمین کا نظام قائم ہے عبد القادر کی وجہ سے(معاذ اللہ) ،وجود اولیاء کو وجود انبیاء پر فوقیت ہے،اور غوث وخضر موسیٰ ؑ وعیسیٰ ؑ سے افضل ہیں،اور نہ جانے کس قسم کی ہفوات اور شرکیات کی تعلیم دی جارہی ہے، یہی باتیں پنڈت بھی اپنے بھگوانوں کو لیکر کہتے

ہیں اور ان کی کتابوں میں اور عقیدے میں یہ باتیں شخصیت کے اختلاف کے ساتھ حرف بہ حرف موجود ہیں، تو گویا اسلام کی نہیں دعوت اس تمدن کی دی جارہی ہے جو ہمارے برادران وطن کا ہے نہ کہ ہمارا، ہندوستان میں جو مسلمانوں کے کرم فرما آئے خواہ وہ چشتی ہوں اولیاء ہوں بریلوی ہوں دیوبندی ہوں ان تمام ولیوں بزرگوں نے کبھی بھی شرکیات کو بڑھاوا نہیں دیا بلکہ ہمیشہ منع کیا کہ کسی بھی قسم کے مشرکانہ عمل سے بچا جائے، اور ان کے مریدین یا معاونین خواہ کسی بھی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں بالعموم اگر بدعت سے آگے بڑھ کر شرک کو Promote کرینگے تو بالاتفاق وہ گمراہ ہونگے اور عوام کو بھی گمراہی میں ڈالینگے، انہیں گمراہیوں میں قبروں اور مزاروں پر چادریں ڈالنے سے لیکر پیروں کے لئے نذر و نیاز کرنا، قوالی کے نام پر بھجن اور گل دستہ کے نام پر چڑھاوا، بزرگیت کے نام پر ملنگ آوارہ، اور عورتوں کے ماتم سے لیکر فوت ہوئے رہنماؤں کے لئے جلسے جلوس میں فضول کی کہانیاں اور قلابازیاں پیش کرنا اور اپنے مخصوص فرقے کے ہی بزرگوں کو دین کُل سمجھ لینا اور دیگر بہت سی واہیات حرکتیں ہیں جو ہماری قوم میں دین کے نام پر رائج ہو چکی ہیں اور ان کا اسلام سے نصاً یا روایتاً کوئی تعلق نہیں ہے، اسلام وہ دین ہے جس کی تجدید نو ہمارے آقا حضور محمد ﷺ نے کی اور ہمارے لئے بہترین اسوہ بنے اور ہمیں کلام ہدایت قرآن کریم کی شکل میں عطا کی، صحابہ و تابعین اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے ائمہ کو ہمارے لئے قابل تقلید بنایا اور دین کے اصلی و جزوی معاملات طے کئے گئے ہمارا وہی دین ہے جسے شرق و غرب میں عرب و عجم نے اپنایا، بے شک اگر جزوی اختلافات صدیوں سے ہمارے ساتھ جڑے ہوں مگر ان سے ہمارا عقیدہ متاثر نہ ہوا، خدا کی وحدانیت سے لیکر ختم نبوت تک عالم اسلام اپنے عقیدہ پر ڈٹا رہا لہٰذا بیتی ایک دہائی میں جو بھی خرافاتیں وجود میں آئیں ان سے اسلامی روایات کا کوئی تعلق نہیں، متعلقہ اسلامی جماعتوں اور تنظیموں سے، علماء و رہبران ملت سے بالخصوص درخواست ہے کہ صحیح اسلامی عقیدے کی ترویج کے لئے ہر ممکنہ کوشش کریں تانکہ عوام الناس تک اسلامی عقیدہ واضح طور پر عیاں ہو اور ملت اسلامیہ گمراہی کے دلدل سے باہر آئے اور انفرادی طور پر ہر مسلمان ذی عقل پر یہ فرض ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کو جانے اور ان شرکیات و فضولیات سے بچے جو اسلام کے نام پر پھیلائی جارہی ہیں، اور یہی اصلاح نسل نو کو کلمہ گو بنائے رکھنے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرَمِ پاک بھی، اللہ بھی، قُرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

امت مسلمہ کے مسائل، وجوہات اور انکا حل

عالم اسلام پر طائرانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ترقی اور تمدن کے دور میں بہت سی خامیاں ہیں جن سے اہل اسلام دوچار ہیں انہیں خامیوں کو دور کرنا ہمارا حق ہے اور ضرورت اس بات کی ہے کہ انہیں صحیح اسلامی روش سے واقف کرایا جائے اور اس بات پر زور دیا جائے کہ کامیابی کی منزل اسوہ نبویہ ہے اگر اسکی اتباع کی جائیگی تو سو فیصدی پیچیدہ مسائل حل ہو جائینگے اور مسلمان سرخ رو ہونگے اور انکا مقام بلند و بالا ہوگا۔

فرمان باری تعالی ہے: ولله العزة ولرسوله وللمؤمنين (المنافقون)۔

عالمی سطح پر اقتصادی سروے کیا گیا جس میں ہر ناحیہ کو مدنظر رکھا گیا جیسے انفرادی طور پر طبی طور پر اور تعلیمی طور پر مختلف ریسرچ کی گئیں اور ان میں مختلف ممالک کی صورتحال نمایاں ہوئیں، سب سے تعجب کی بات یہ ہے کہ ۲۶ مسلم ممالک کی حالت خستہ بتائی گئی ہے اور چند ہی مسلم ممالک ہیں جو اقتصادی طور پر خوشحال ہیں، مطلب یہ ہوا کہ ۸۵ فیصدی مسلم ممالک اقتصادی بحران کا شکار ہیں، مثال کے طور پر اگر ہم بنگلادیش کی صورتحال دیکھتے ہیں تو وہاں کی آبادی ۱۱۰ لاکھ ہے جن میں سے ۹۵ فیصد مسلمان ہیں اور تعلیم یافتہ طبقہ محض ۲۴ فیصد ہے، اور معاشی استحکام کا فقدان ہے، چہ جائیکہ وہاں معاشی ذرائع وافر مقدار میں موجود ہیں اور اگر انکا بجا استعمال کیا جائے تو وہاں کی صورتحال مستحکم ہوسکتی ہے، لیکن وائے ناکامی کہ متاع کارواں جاتا رہا۔ اسی طرح سوڈان کی صورتحال دیکھی جائے تو ۲۱ لاکھ سے زیادہ کی آبادی ہے مگر ان میں سے ۷ لاکھ وہ تعداد ہے جن کو بر وقت غذائی اشیا کی ضرورت ہے یعنی وہ خط افلاس سے بھی نیچے زندگی گزار رہے ہیں حالانکہ اگر وہاں کی زمینیں استعمال میں لاجائیں تو وہ کاشت کاری کیلئے بہت موزوں ہیں اور ان سے اقتصادی استحکام کی مضبوط توقعات ہیں۔ یہ بات از راہ ہمدردی ہی نہیں بلکہ ایک خلش ہے کہ عالم اسلام کے بیشتر ممالک میں اقتصادی استحکام کا فقدان ہے اور وہاں کے لوگ بھوک مری اور

فاقوں پر اور جہالت پر اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔

ا۔ سیاسی استحکام کا فقدان

ایشیا اور وسط افریقیا کے وہ مسلم ممالک جیسے صومال سوڈان حبشہ اور بنگلادیش پاکستان ہندوستان وغیرہ یہاں مسلم آبادی ایک وافر مقدار میں ہے لیکن وہ معاشی طور پر کمزور رہیں اور یہ انتہائی المناک صورتحال ہے کہ بس اوقات مسلمان برسر اقتدار ہو کر بھی کمزور ہیں اور اسکی اصل وجہ صحیح قیادت اور صحیح رہنمائی کا نہ ملنا ہے کیونکہ دشمن چاہتے ہیں کہ قیادت مستحکم نہیں ہو گی تو عوام کمزور رہیگی اور اس طرح وہ ان حالات کا فائدہ اٹھا کر اپنے مقاصد اور عزائم میں کامیابی حاصل کرینگے، لہذا سب سے پہلا حربہ انہوں نے یہی آزمایا کہ سیاسی طور مسلم دنیا کو کمزور کیا تو دانستہ طور پر وہ معاشی اور اقتصادی حالات سے کمزور پڑ گئے۔ اور اس میں بلاشبہ مسلم معاشرہ بھی قصوروار ہے کہ اس نے اپنی معیت کو اور دینی حمیت کو پس پردہ ڈالا تو انہیں ان مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔

فرمان نبوی ﷺ ہے: تم جیسے ہونگے ویسے ہی تم پر حکمراں مسلط کئے جائینگے۔

نیز خدا تعالی نے ارشاد فرمایا: وکذلک نولی بعض الظالمین بعضا بما کانوا یکسبون (الانعام)۔

۲۔ جہالت اور فقر و فاقہ

دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ تعلیمی معیار انتہائی تنزلی کا شکار ہے اور اسی وجہ سے بے روزگاری اور فقر و فاقہ کی نوبت کثرت سے پائی جاتی ہے کیونکہ جب تک وہ تعلیمی میدان میں مضبوط نہیں ہونگے تب تک وہ اقتصادی مسائل اور ان کے حل کو تلاش کرنے میں ناکام ہوتے رہینگے اور اگرچہ انکی زمین یا علاقہ کتنے ہی زرخیز کیوں نہ ہوں ان سے استفادہ کرنے کا واحد طریقہ حصول علم ہے، اور اسی کے ذریعہ وہ اپنی معیشت مستحکم کر سکتے ہیں۔

۳۔ ڈکٹیٹر شپ

امت مسلمہ کو نیست و نابود کرنے میں ڈکٹیٹر شپ اور ذہنی غلامی کا بڑا کردار رہا ہے، اور اس فلسفہ کو بنیاد بنا کر دشمنان اسلام نے ہر بار کی طرح دین حق کی راہ میں کانٹے بچھائے ہیں خواہ وہ جزیرۃ العرب

میں ہوں یا ایشیائی ممالک میں ہوں یا افریقہ و یورپ میں ہوں، ڈکٹیٹرشپ کے ذریعہ عوام میں جہالت بڑھی اور تعلیم کی طرف میلان کم ہوا اور یہ امت پستی کی جانب گامزن ہوتی چلی گئی، عرب مماک پر امت کا بہت بڑا قرض ہے کہ انہوں نے ان مسائل سے امت کو نجات دلانے کیلئے کوئی عملی یا علمی اقدام نہیں کیا اور یہ ایک ذمہ داری ہے جسکو پورا کرنے کی بر وقت ضرورت ہے۔

۴۔شیعیت

جس کونہ میں شیعیت کا جال بچھا ہے وہ کونہ الحاد اور کفر کی آندھی میں بہہ گیا ہے کیونکہ خالص دینی عقائد سے گمراہ کرنے کے مختلف راستوں میں سے ایک بڑا راستہ شیعیت ہے جس میں انسان مذہب اسلام کی روح سے بے پرواہ کفروشرک پر مبنی عقائد کا متبع ہوجاتا ہے اور بس اوقات اسکی سالوں کی علمی و دینی کاوشیں ویران ہوجاتی ہیں۔

۵۔ اسلام کا غلط تصور

بہت سے لوگوں کا اسلام کے تعلق سے بے جا اور بیہودہ تصورات نظر آتے ہیں کہ اسلام ایک توکل اور بھروسہ پر مبنی ہے حالانکہ یہ تصور اور نظریہ سرے سے غلط ہے اسلام بنیاد ہی میں علم و عمل کو یکجا کرتا ہے اور روحانیت کا ساتھ جسمانی جد و جہد کو بھی بروئے کار لاتا ہے، اسی بابت خداوند قدوس نے اپنی کتاب مبارک میں ارشاد فرمایا: وقل اعملوا فسیری الله عملکم ورسوله والمؤمنون (التوبہ) نیز آنحضور ﷺ نے فرمایا: حکمت مؤمن کی ایک گمشدہ شئے ہے جہاں بھی اسکو پاتا ہے اس پر اس کا زیادہ حق ہوتا ہے، یہی کچھ لوگ اسلام کو مسجد اور مدرسہ کی چار دیوار تک محدود سمجھتے ہیں کہ ذکر و تسبیح کے علاوہ کچھ نہیں دراصل یہ انکی بہت بڑی کم عقلی اور غلط فہمی ہے اسلام مذہب انسانیت کیلئے ایک آفاقی مذہب کی حیثیت رکھتا ہے تو بلاشبہ اس میں وہ تمام اصول وضابطے ومعاملات واخلاقیات ہونگے جن سے انسانیت کو واسطہ پڑتا ہے اور یہ کم علمی کی دلیل ہے کہ مذہب اسلام نے کسی معاملہ کے بابت حکم یا حد کا تعین نہیں کیا، ایک آفاقی و ابدی مذہب ہونے کی دلیل یہی ہے کہ ساری انسانیت کے مسائل کا حل اسکے پاس ہو اور یہ خاص صفت اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب میں نہیں۔

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا
دانہ تو ، کھیتی بھی تو، باراں بھی تو حاصل بھی تو

اکیسویں صدی اور فکری انقلاب

ہر زمانے میں فلسفہ کا ایک نمایاں مقام رہا ہے، خواہ وہ دینی طبقہ میں ہو یا سیاسی وسماجی طبقہ اس سے متاثر ہو لیکن اسکی ابتدائی حیثیت سے اکثر و بیشتر حضرات ناواقف ہیں، یہی بنیاد ہے جس نے موجودہ دور میں امت کو فکری زوال کے جانب گامزن کرایا، دراصل فلسفہ کی بنیاد مذہبی اصطلاحات کو عقلی ادراک سے موازنہ کرنا تھا اور جو باتیں عقلی دائرہ سے ماوراتھیں انکا انکار تھا، اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے یونانی دانشوروں نے فلسفہ کی بنیاد رکھی اور تاریخ کے مطالعہ سے یہ نکتہ عیاں ہوتا ہے کہ بیشتر ابتدائی فلاسفہ نے مذہب کا عقلی قیاس کے برعکس ثابت ہونے پر انکار کیا اور یہاں تک کہ خدائی طاقتوں کا انکار کیا اور ماوراء العین اشیا کو اور غیبیات کو لایعنی قرار دیا، ان میں بالخصوص سقراط اور ارسطو، نیشتیہ اور ہیگل وغیرہ سرفہرست ہیں، اور یہاں طغیانی طاقتوں کو بڑی حد تک اس فن میں کامیابی ملی، فن اس لئے کہ علم کی بنیاد مذہب پر ہوتی ہے اور اس سے علیحدہ تمام علوم ایک فن کی حیثیت رکھتے ہیں، لہذا یہ فن رفتہ رفتہ علم کا روپ دھارنے لگا اور اسلام کی طلسماتی ہوا چلنے کے بعد مسلم دانشوران نے باضابطہ اس فن کو علم کی حیثیت سے پیش کیا، ابن العربی سے لیکر ابن خلدون تک اور رومی سے لیکر غزالی تک اور فارابی سے لیکر ابن سینا تک عظیم دانشوران نے امت کو فلسفہ کا مثبت اور حقیقی معنی سے باور کرایا یہی نہیں بلکہ ماقبل سے فلسفہ میں جو بنیادی خامیاں تھیں ان میں تفکر اور تدبر کی جو محدود لکیریں تھیں ان کو حذف کر کے جدید فکری انقلاب کو فلسفہ کی بنیاد بنایا اور علوم شریعہ کے ذریعہ اس محدود فکر کو وسیع تر بنایا اور ادراک سے ماوراایک اور جہاں کی حقیقت کا عقلی دلیلوں سے انکشاف کرایا جو آج تک قصہ ءپارینہ میں شمار ہوتی تھیں جن کو مذہب کے نظریات تسلیم کر نظرانداز کیا جاتا تھا اور جو حقیقت سے خالی اوہام کے نذر گردانی جاتی تھیں، یہاں فلسفہ کی ہیبت وہیت تبدیل ہو جاتی ہے اور اہل علم کے نزدیک ایک مقبول مقام حاصل کرتا ہے اور بے جان فلسفہ کے اندر روحانیت آتی ہے اور وہ معنوی طور پر اپنے آپ میں اسلام کیلئے ڈھال اور باطل کیلئے تلوار بن جاتا ہے، لیکن خداوندان کفر نے ہر دور میں فکری طور پر امت کو معذور کرنا چاہا اور اسی راہ وروش پر چل

کرعصر حاضر میں اہالیان توحید کے ایمان ویقین پر حملہ کا نیا طریقہ ایجاد کیا اور قدیم فلسفہ کی راہ سے ہٹ کر ایک نیا جال بچھایا اور موجودہ دور میں یہ ایک آزمودہ خنجر ثابت ہوا جس نے ملت کے سینوں کو چھلنی کر دیا اور متمدن زمانے میں جدید آلہ نیست ثابت ہوا، اصطلاح میں اسکو استشراق (Orientalism) سے منسوب کرتے ہیں لیکن درحقیقت یہ الحاد (Atheism) ہے، اسکی مختلف شکلیں ہیں مختلف قسمیں ہیں جو امت کو راہ راست سے بھٹکانے کیلئے کافی کارگر ثابت ہو رہی ہیں اور عصری علوم میں انکا لب لباب مخلوط ہے کہ تعلیم وثقافت کی ابتداء دین میں شک وشبہ سے ہوتی ہے اور انتہا الحاد کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے، یہیں پر کفایت نہیں بلکہ دینی علوم میں بھی درجہ بدرجہ اسکا امتزاج ہو رہا ہے اور دینی اصولیات میں جدید اصطلاحات کے ذریعہ تنقید وترمیم کی راہ ہموار کی جارہی ہے جس سے عوام ہی نہیں بلکہ خواص بھی متاثر ہو رہے ہیں اور فکری انحطاط کے جانب گاہ بگاہ یہ امت مائل ہو رہی ہے، لیکن افسوسناک المیہ یہ ہے کہ ان حقائق سے یگانہ وبیگانہ ہوکر عصر حاضر کے دانشوران ورہبران امت اندھی تقلید نیز (Blind faith) اور شخصیت پرستی جیسے خطرناک جراثیم کی زد میں ہیں جو امت کو تباہی کے دہانے پر لانے کیلئے کھلا دروازہ ہے جس میں ہر منکر وملحد کی آمد پر استقبال ہے، گویا ایک آندھی ہے جس کی زد میں ہر کس وناکس ہے اور جس سے راہ فرار نہیں، لیکن یہاں قدیم فلسفیانہ اصطلاحات کی تقلید سے بہتر ہے عصریات سے ہمکنار ہونا اور جدید وسائل سے آشنا ہونا کیونکہ علامہ اقبالؒ کی زبان میں ایسی تقلید کی روش سے خودکشی بہتر ہے، دستور اسلام ازل ہی سے جدت اور تمدن کے حق میں تھا اور تاریخ اسلام کے روشن صفحات آج بھی اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ ہر دور میں اہالیان اسلام نے زمانے کو صحیح آئینہ دکھایا اور یہ جب ہی ممکن تھا جب وقت اور حالات کی نزاکت سے واقفیت ہو، کیونکہ یاد رہے کہ زمانہ ہم سے ہے ہم زمانہ سے نہیں۔

کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ
بلبل فقط آواز ہے طاؤس فقط رنگ

اسلامی حکومت یا سیکولر جمہوریت؟

ہمارے طبقہ کے بہت سے آزردگان ملت یہ دعوی کرتے ہیں کہ اگر ہندوستان میں سیکولرزم کا خاتمہ کر کے اسلامی تاناشاہی نافذ کی جائے تو ملت کے مسائل حل ہو سکتے ہیں! اگر وہ تاریخ کے تاریک وباریک نقوش سے واقف ہونگے تو شاید وہ ایسے تجزیہ وتبصرے نہ کریں کہ 800 سالہ مسلم قیادت میں چند ایک کے علاوہ کتنے مسلم بادشاہوں نے دین ودھرم کے لئے قربانیاں پیش کی ہیں کتنوں نے ملت کو صحیح وسالم قیادت کا آئینہ دکھایا اور کتنوں نے سوائے بادشاہت وحکومت کے یا شوق وذوق پالنے کے یا شراب وکباب کے علاوہ اسلامی تصویر کا عکس برصغیر کے سامنے پیش کیا! اب انکے کرتوت جو کاوشیں ہیں وہ سوائے نام ونمود کے بے جان پتھر ہیں جن پر غیر قابض ہیں اور ایک طویل فہرست ان صحافیوں اور تاریخ نگاروں اور ریسرچ اسکالروں کی ہیں جنہوں نے صرف شاہکار عمارتوں کو اور عظیم دروازوں اور برجوں اور نقش وفنکاری کو اسلامی تاریخ کا سنہرا نقش بتایا ہے لیکن کسی نے بھی اسلامی تعلیمات اسلامی اصول وضوابط کا نفاذ اور اسلامی فلسفہ وعلوم شریعہ وخدمت علوم سماویہ ونبویہ کے بارے میں کوئی باضابطہ تحقیق یا تبویب پیش نہیں کی، چونکہ ماسواء القلیل دور تک بھی نظر دوڑانے سے چند ایک کے سوا مثالیں نایاب ہیں اور حقائق ناپید ہیں.. کیا یہ ہمارے مذہب کے ساتھ ایک ایسے دین کے ساتھ جو سماوی ہے ابدی ہے عالمی ہے صریح اور واضح ناانصافی نہیں؟ لیکن اب نعرہ انقلاب عظیم اور قیام خلافت وملوکیت کے ہیں! سیاسی کایا وہیں پلٹتی ہے جہاں مخالف کو مخالفت کرنے کا سبب اور مواقع نصیب ہوتے ہیں اور حکمت عملی وسیاسی سوج بوجھ کا فقدان ہوتا ہے۔ اسی کو علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں تشبیہ دی ہے کہ:

مسجد تو بنادی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے

من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

مسجدیں بہت بنیں لیکن نمازی پیدا نہ ہوئے محراب تو بنے لیکن امام نہ ہوئے صفیں تو بچھیں لیکن

مقتدی نہ ہوئے منار یں تو بنی لیکن اذانیں نہ ہوئیں اور آج یہی حال ہماری وراثتوں کا ہے کبھی تو وہ بابری مسجد کی شکل میں پکارتی ہے تو کبھی قطب مینار کی شکل میں صدا دیتی ہے لیکن کون ہے جو لبیک کہے اور گل چراغوں کو روشن کر کے ویرانوں کو آباد کرے۔

امیدوں کا پردیش، اترپردیش

(یوپی سیاست کا تنقیدی وتحلیلی جائزہ، ماضی وحاضر کے تناظر میں)

اترپردیش تقسیم کے بعد ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست بن کر ابھری ہے، یہاں کی سرزمین ہر لحاظ سے دوسری ریاستوں پر اہمیت وفوقیت کی حامل ہے، اگر مسلمانوں کی بات کی جائے تو یہاں ہمیشہ سے دینی گہوارے اور سرچشمے ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا جہاں میں معروف رہے ہیں اور اہل علم کے نزدیک ان کا بلند مرتبہ رہا ہے، ہندوؤں کے تعلق سے دیکھا جائے تو یہ سرزمین ان کیلئے ہر تقدس سے بڑھ کر ہے اسی سرزمین میں کسی مقام پر ان کے دیوتا رام کا جنم ہوا وغیرہ، نیز یہاں کا شہر بنارس اپنے آپ میں ہندو مت کی تاریخ سموئے ہوئے ہے.

دیگر مذاہب کے پیروکار بھی یہاں وافر تعداد میں ہیں، یہی نہیں بلکہ تاریخ اور جغرافیہ کے لحاظ سے بھی یہ صوبہ کسی کرشمہ سے کم نہیں، مغلوں سے لیکر نوابوں تک، چودھریوں سے لیکر جاٹوں تک یہاں ہر معزز خاندان کی ایک تاریخ ہے، لیکن یہاں مقصود ہے سیاسی اعتبار سے اس ریاست کا تنقیدی وتحلیلی تجزیہ کرنا، ابتدا ہوتی ہے آزادی کے بعد سے کہ جب ملک تقسیم ہوا تو یہاں سے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد پڑوس ملک چلی گئی اور کانگریس کی لہر نے پورے ملک کو اپنے آغوش میں لے لیا، ماقبل مسلمانوں کی تعداد یہاں ۸۰ فیصد تھی جو گھٹ کر ۲۰ کے آس پاس تک چلی گئی، حالات بدلنے کے ساتھ مسلمانوں میں سیاسی رجحان کم ہوتا چلا گیا اور یہ ریاست ایک بار پھر غلام ہوگئی جو بھی سیاست کے نام پر کھلواڑ کرنے آیا عوام نے اسے باگ ڈور سونپی اور باضابطہ ملی سیاست کا خلا محسوس ہونے لگا، یہ حالات سال دوسال تک نہیں بلکہ پچاس سال سے بھی زیادہ عرصہ تک رہے۔ بابری مسجد کی شہادت کے بعد مسلمانوں میں سخت اضطراب پیدا ہوا اور سیاسی طور پر کمزور ہونے کی بنیاد پر چند باضمیر اور باوقار شخصیات نے حکومت پر

زور دیا کہ وہ مسلمانوں کو بھی سیاست میں مقام ومرتبہ سے نوازے، یہاں چند قبیلوں نے سرکشی کر کے ذاتی مفاد کے خاطر سیاسی حلقہ بنایا اور اقلیت ہمدردی کا نعرہ دیکر اقتدار کو ہاتھ میں لیا یہی نہیں بلکہ مسلم چہروں کو خریدا گیا اور ان سے اپنے حق میں پرزور و پرجوش تقریریں کرائی گئیں اور مسلم عوام کو نئے سیاسی مورچہ کا لالچ دیا گیا کہ قوم یہ سوچنے پر مجبور ہوگئی کہ مسیحا آئیگا نہیں آ گیا، یہ وہ بھول تھی جس نے مسلمانوں کو ان کا مستقبل سنوارنے کا خواب بھلا دیا، سیاسی معذوری نے مسلمانوں کو دین سے ہی نہیں بلکہ دنیا سے بھی ناآشنا کر دیا اور حالت انتہائی ناگفتہ بہ ہوگئی کہ ایک مشہور اخبار کے مطابق موجودہ دور میں مسلمانوں کی حالت دلتوں سے بھی بدتر ہے یعنی مسلمانوں کی اکثریت خط افلاس کے نیچے زندگی گزار رہی ہے۔ اتر پردیش کی سیاسی صورتحال نازک ہے نہیں بلکہ بنادی جاتی ہے، پانچ سال سرکار کرسی کا عوامی نہیں بلکہ ذاتی استعمال کرتی ہے اور انتخابات میں سیکولرازم اور اتحاد کو مہرہ بنا کر عوام کو وعدے وعیدیں اور دلاسوں سے بہلاتی ہے، انتخابات ہورہے ہیں اور یوپی اسمبلی انتخابات محض یوپی کے مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ ہندوستان کے ہر مسلمان کیلئے اہم ہوتے ہیں، چونکہ ملت کا مرجع Reference اتر پردیش ہے دینی سیاسی سماجی و انتظامی اعتبار سے، لہذا یہاں کے مسلمان اگر فیصلہ کرنے میں چوک کرتے ہیں تو اسکا خمیازہ دوسری ریاست کے افراد پر بھی پڑ سکتا ہے۔ اسی روش کو بدستور برقرار رکھتے ہوئے عنقریب یوپی اسمبلی انتخابات ہونے والے ہیں جن میں پارٹیاں اور سیاسی مورچے پھر سے وہی وعدے وعیدیں کرینگی، وہیں ملت میں اختلاف و اتحاد کا حوالہ ہوگا، انداز الگ ہوگا لیکن تیور وہی ہونگے، وہی قوم کے حساس موضوع تقریروں کی ہیڈ لائن بنے گی، جو الیکشن کے بعد ٹھنڈی پڑ جائیگی، سیاسی ریلیاں اقلیتوں کو لبھائینگی اپنی جانب مائل کرینگی، کہیں مال کا لالچ دینگی کہیں کرسی کا لالچ دینگی، اور اس طرح ایک بار پھر قوم ملی قیادت کو فراموش کر من کے متوالوں اور پردیش کے ٹھیکے داروں کے ہاتھ سیاسی باگ ڈور تھما دے گی۔ اتر پردیش کے مسلمان ہندوستان کی وہ قدآور ملت ہے جس سے سب سے زیادہ فرقہ پرست طاقتوں کو خوف ہے، سیاسی بیداری ہے جواں مردی ہے، دینی ہمدردی ہے، خواہ وہ کسی حد تک غلط راہ سے گزر رہی ہو مگر ناموس شریعت پر جاں قربان کرنے پر آمادہ رہتی ہے، اور دشمنان دین اور مخالفین وطن انہیں نیست کرنے کے نت نئے حربے آزماتے ہیں کیونکہ بیداری کا ایک حصہ جہاں ہندوستان میں ہے وہیں دوسرا حصہ اتر پردیش کے مسلمانوں کے پاس ہے، اور اسکی مثال انتخابی مہم ریلیاں اور اجتماعات جلسے وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ لیکن محض یہ کافی نہیں ہے، ابھی خستہ حالی اور زبوں حالی سے گزر رہی ایک لمبی فہرست ہے، اور اسکی بڑی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ سیاسی Background خستہ

ہے،اور تعلیمی معیار پژمُردہ ہے،اختلافات کی آندھی ہے جو تھمنے کا نام نہیں لیتی،ان باتوں کی ذمہ داری عوام سے لیکر خواص کی گردنوں میں آلٹکتی ہے،اور بالخصوص یو پی کی عوام کے پاس ایک موقع ہے صحیح و غلط کو اور سچ اور جھوٹ کو اور حق اور باطل کو چننے کا،درخواست نہیں التجا ہے کہ ملی بیداری کا ثبوت دیں اور حق کے خاطر حق کے ساتھ حق کو چنیں۔گر ابراہیم سا ایماں پیدا ہو تو آج بھی آگ انداز گلستاں پیدا کر سکتی ہے،اب وقت ہے کہ ملت کے رہنما جو حقیقی معنی میں دلالی کے شکنجے سے آزاد ہیں،متحد ہوں اور قوم کو ہی نہیں بلکہ اقلیت کو متحد کریں جو مظلوم ہیں انکی آواز اٹھائیں جو ظالم ہیں انکو راہ دکھائیں،جو دلال ہیں انکا پردہ فاش کریں اور امت کو ان سے باز رکھیں،امید ہے کہ مستقبل میں ان کی یہ محنت حق کے مفاد میں رنگ لائیگی،اور سیاسی کایا خود اپنی ہوا بدل کر ان کے آگے زیر ہو گی۔

سیاسی بصیرت، امت کی گمشدہ حکمت

آزادی کے بعد سے ہندوستان میں جمہوری نظام عمل میں آیا اور یہاں کا دستور بنا جس کے تحت سماج کے ہر طبقہ کو اس کو عملدر آمد بنانے اور اس کو نافذ کرنے کا حق حاصل ہوا جیسے شعبہ ہائے سیاست یا ججمینٹ یا کورٹ یا آیجنسیس یا ذرائع ابلاغ لیکن ہمارا مسلم طبقہ ہمیشہ سے لیکر آج تک بھی اس میدان میں اقلیت میں ہے، ملاؤں کی دوڑ مسجد تک ہے اور دنیوی تعلیم یافتہ طبقہ دو روٹی کی جستجو میں ہے اور نفسیاتی خود دارپنہ کا شکار ہے جبکہ ہماری اکثریت پر جہالت سایہ فگن ہے چند خاندانی اور دلاآور شخصیات جو میدان کارزار کے شہسوار بنے تو وہ ذہنی غلامی اور فکری تنزلی کا شکار ہو گئے, حاصل یہ کہ سیاست و وکالت معاشرہ کا ایک بدنام بلکہ بے نام حصہ بن گیا. شاذونادر ہی کسی مرد مومن نے یہ اہم باگ ڈور سنبھالی تو لیچڑان قوم اور چپڑ گنجان ملت نے انہیں بھی دھتکار اٹھکرایا اور بے سود بنادیا اب لگتا ہے کہ یہ اہم اسلامی انسانی عالمی شعبہ صرف گندی راج نیتی اور رشوت خوری وجام نوشی وچاپلوسی تک محدود رہ گیا ہے! یہی وجہ کہ آج ہم اقلیت میں ہو کر مزید اقلیت میں ہیں اور پسماندہ سماج میں بلکہ اس سے بھی پستی وخواری میں ہمارا شمار ہونے لگا کیونکہ ہم جب اپنے سنہرے ماضی کو فراموش کر بیٹھے اپنے شہنشاہوں کی راج گیری کو بھلا بیٹھے اپنے پرکھوں کی میراث کو گنوا بیٹھے توسوائے ذلت وحقارت وخباثت کے کچھ حاصل نہ ہوا، کبھی ہم وہ تھے جس نے قیصرو کسری کو قدموں تلے روند دیا تھا کبھی اندلس میں شہر زھراء بسا کر دنیا کو چونکایا تھا کبھی دمشق واستنبول کو جگمگاتے فانوسوں سے روشن کرایا تھا کبھی اصفہان وقزاقستان میں نقش وفن کے گہر لگائے تھے کیا خوب کہا ہے:

لرزش وہ ستاروں کی وہ ذروں کا تبسم
چشموں کا وہ بہنا کہ فدا جن پہ ترنم
گردوں پہ سپیدی وسیاہی کا تصادم
طوفاں وہ جلوؤں کا وہ نغموں کا ترنم

یہی منظر کشی گلستان عالم میں اسلام کا گلاب بن کر کھل رہی تھی جسے اب باغبانوں نے پژمردہ کر رکھا ہے۔۔۔۔ یہ ہے ہمارا روشن چراغ جس کو ہم گل کر چکے ہیں یہ وہ دریا جو خشک ہو چکا ہے یہ وہ پھول ہے جو رنگ و بو سے عاری ہے۔۔۔۔

اب بھی طور کلیم کے انتظار میں ہے روح جبیں کی راہ میں ہے جذبہ جنوں کی جستجو میں ہے اور ملت سچ کی تلاش میں ہے۔۔۔۔

دور حیات آئیگا قاتل قضا کے بعد
ہے ابتداء ہماری تری انتہاء کے بعد

مسلم قیادت اور ہندوستانی مسلمان

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
کرتے ہیں خطاب آخر اٹھتے ہیں حجاب آخر

برصغیر جب فرنگیوں کی گرفت سے آزاد ہوا تو وہ اندرونی خانہ جنگی کا شکار ہوگیا، مسلم لیگ نے انگریزوں کے بل بوتے پر اسلام کے نام پر علیحدہ ملک قائم کرلیا اور کانگریس نے ہندوستان کی باگ ڈور سنبھالی، اس طرح سے صلیبی وصہیونی سازشیں اپنے خفیہ مقصد میں کامیاب ثابت ہوئیں، کیونکہ ہندوستان میں مسلم طبقہ اقلیت میں شمار ہونے لگا نیز یہاں بہت سے فتنہ پرور اور شدت پسندانہ ذہنیت کے حاملین نے یہ نعرہ دیا کہ ہندوستان پرصرف ہندوؤں کا حق ہے اور مسلمانوں کا ملک پاکستان ہے، اس نظریہ سے مسلمانوں کو سخت ٹھیس پہنچی اور انکو فکری و مادی مشاکل و مصائب کا سامنا کرنا پڑا، چونکہ آزادی ہند میں مسلمانوں کی بے پناہ قربانیاں تھیں، جان و مال کی بازیاں انہوں نے لگائی تھیں، اور اس وقت قطعا کسی بھی مسلمان کا یہ نظریہ نہ تھا کہ وہ اپنے ملک بنانے کے لئے یہ قربانیاں دے رہے ہیں بلکہ گنگا جمنی تہذیب سے آراستہ اس دیش کو حاصل کرنا تھا جہاں وہ اور دوسرے مذاہب کے لوگ بھائی چارے سے رہا کرتے تھے، جہاں انہوں نے تاج محل بنایا تھا، جہاں انہوں نے قطب مینار کھڑا کیا تھا، جہاں انہوں نے لال قلعہ اور چار مینار تعمیر کئے تھے، جہاں انہوں نے کوہ نور حاصل کیا تھا، جہاں کی سرزمیں کو انہوں نے سونے کی چڑیا بنایا تھا، لیکن دشمنوں کو یہ زرخیزی قطعا نہ بھائی اور انہوں نے سیکڑوں دیش بھگتوں کو شہید کرکے اس کو جبرا و طوعا و کرہا چھوڑا، لیکن اسکے ساتھ وہ اپنی الحادی، تخریبی، فسادی، فحاشی، لادینی روش کا پودا لگا کر چلتے بنے، جسے بعد میں انکے بھگتوں اور پیروکاروں نے شجر مثمر بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگادیا۔

ایسے ناگفتہ بہ حالات میں ہندوستان کو مزید سیاسی انقلاب کی ضرورت آن محسوس ہوئی تو بہت سی تنظیمیں اور پارٹیاں سچائی، وفاداری اور امانت داری کے شعار کی دعویدار بن گئیں، پھر ذات پات کا کاروبار

شروع ہوا، دلت سماج کی بہوجن سماج ہوگئی، بنیوں کی کانگریس، یادووں کی سماج وادی، اور برہمنوں کی بی جے پی، ان میں بی جے پی کو چھوڑ کر سبھی پارٹیاں سیکولرزم کے نام پر مسلمانوں کا ووٹ حاصل کر کے یک بعد دیگر سر کار بناتی آئی ہیں، اور مسلمان ان کے تئیں افراط و تفریط کا شکار ہیں، انہوں نے کبھی ملائم کو ملا مانا ، کبھی مایاوتی کو بہن جی مانا اور اس کشمکش کا اکثریت نے فائدہ اٹھایا، ان حالات اور بالخصوص مضبوط سیاسی پس منظر نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں نے بے انتہاء مصیبتیں جھیلیں. کبھی گجرات میں مارے گئے، کبھی مظفر نگر میں کاٹے گئے، کہیں مسجدیں شہید کی گئیں، کہیں مزارات ڈھائے گئے، ماں بیٹیوں کی عزتیں نیلام کی گئیں، بچوں اور بڑوں کو سر عام قتل کیا گیا وغیرہ وغیرہ۔۔۔ ان حالات نے ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب و ثقافت کو پوری دنیا کے سامنے شرمسار کر کے رکھ دیا۔

ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے

خون پھر خون ہے ٹپکے گا تو جم جائیگا

یہاں کی شکشا، یہاں کی پرکشا، یہاں کا کرتویہ، یہاں کی پرمپرا، یہاں کا انوشاسن کو بدنام کرنے کی ناپاک کوششیں کی گئیں، بھائی چارہ، امن و شانتی، اتحاد و اتفاق، محبت و الفت کو نیست و نابود کیا گیا۔

ایسے ناگفتہ بہ حالات میں مسلمانوں کا سیاسی فقدان نظر آیا، قیادت، جو کسی دور میں مولانا ابو الکلام آزاد کی صورت میں تھی، کسی دور میں ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی صورت میں تھی، اور آزادی کے بعد چہ جائیکہ مسلم قیادت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی، مگر ہندوستان میں چند ایک شخصیات کے سوا ملکی سطح پر کہیں سے کوئی نمائیندگی نہ ہوسکی، علاقائی طور پر تو پھر بھی صلاح الدین اویسی اور مختار، اعظم، اجمل جیسے سیاست دان ابھرے، مگر سطحی سیاست سے بڑھ کر ملی سطح پر ان افراد کی کوئی خاص گرفت نہیں رہی، وہیں بہت سی جماعتوں اور جمعیتوں کا قیام عمل میں آیا، پرسنل لاء بورڈ، آل انڈیا مجلس مشاورت، پاپولر فرنٹ، جمعیت علمائے ہند اور دیگر ملی جماعتیں اپنے دائرے کی حد تک ملت کے لئے کوششیں کرتی رہیں مگر بے سود، چونکہ مضبوط لائحہ عمل نہیں تھا، بنیادیں مضبوط تھیں مگر مستقبل کی فکر نہیں، نوجوان نسل کو موجودہ نام نہاد قیادت نے نہ کبھی قریب کیا اور نہ ایسے موثق ذرائع اختیار کئے گئے جن پر آئیندہ کے لئے بہتر قرار داد منظور ہوں اور اس پر عمل درآمد ہو، خانوادہ چشتی سے مدنی تک اور رضوی سے سلفی تک، جمعیتیں اور جماعتیں اور ان کے عہدیداران ملت کے نام پر کھاتے رہے، لہو چوستے رہے، مگر ملت کے حق میں کوئی

مستقل اقدام نہیں کیا گیا،اوقاف کی زمینیں ہندوستان میں دفاع اور ریلوے کے بعد سب سے زیادہ ہیں، مسجد و قبرستان کے علاوہ ان زمینوں سے ۵ ٪ بھی استفادہ نہیں کیا گیا، گزشتہ دہائی میں ۳۰ کروڑ سے زائد مسلمانوں کے درمیان قیادت کا فقدان ایک المیہ ہے، طلباء نے ان سب ناکامیوں کے بعد آواز بلند کی ان کی آواز دبادی گئی اور اس کے سب سے بڑے ذمہ دار ہماری So called نام نہاد ملی قیادت ہے، جو خانقاہی نظام کو اسلامی نظام پر تھوپنے کی کوششوں میں رہتی ہے، قوم میں حصول علم و تجارت تکے لئے کوششیں وسائل کے ساتھ جہاں بڑھنی چاہئے تھیں وہاں مزید کم ہو رہی ہیں، دین کی سطحی معلومات نہ ہونے کی وجہ سے ارتداد کا ماحول عام ہو رہا ہے، اور اس زد میں عوام و خواص دونوں نیست و نابود ہو رہے ہیں، قیادت کا نظریہ ہمیشہ سے اسلام کا اہم نظریہ رہا ہے، خواہ وہ خلافت اسلامیہ کی صورت میں ہو جو خلفائے اربعہ کے دور میں تھیں، یا ملوکیت جو عباسی اموی عثمانی دور میں رہیں، یا جمہوری ممالک میں دینی وسیاسی قیادت جنھوں نے اختلافات اور عصبیت کی بنیاد پر سیاست نہ کی ہو بلکہ قومی فلاح و بہبود، علم و تعلم کی سیاست کی ہو، یہ قیادت اب نوجوان نسل سنبھال سکتی ہے جو خردمند ہو، مستقبل کے لئے فکرمند ہو، مدارس و جامعات کے وہ طلباء و طالبات اور وہاں سے فارغ التحصیل نوجوان جو امامت و تدریس میں مشغول ہوئے، یا جو معاش و تجارت سے مرتبط ہوئے یہ قیادت اب ان نوجوان نسل کے ہاتھ میں ہے، جسے وہ انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر اجاگر کر سکتے ہیں، گھر خاندان اور احباب کے درمیان اور علاقائی سطح پر یکے بعد دیگرے ریاستی سطح پر یہ ہوشمندی کے ساتھ قائدانہ کام کئے جائیں، جس میں تعلیم و تربیت شامل ہے، تجارت کو فروغ شامل ہے، سماجی ہم آہنگی اور سیاسی استحکام شامل ہے۔

امید ہے کہ ملت گلزار کی آئندہ مستقبل میں نونہالان ملت حفاظت کریں، صبر و حوصلہ اور عزم و ارادہ کے ساتھ حق کے پیغام کو عام کریں، مسلکی و مذہبی اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے راہ اعتدال قائم کریں، جہالت اور کرپشن کا مقابلہ کر کے امن و استحکام کی فضاء قائم کریں، آخر میں بس یہ پیغام دونگا کہ:

نشیمن پر نشیمن اس قدر تعمیر کرتا جا
کہ بجلی خود گرتے گرتے بیزار ہوجائے

مسلمانوں پر ستم کی کہانی ماضی وحال کی زبانی

تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ روز اول ہی سے دین اسلام کے خلاف سازشوں کااور غارت گیری کا بازار گرم کر دیا گیا۔نبوی عہد سے لے کر موجودہ دور تک تقریباساڑھے چودہ سوسال کا جو عرصہ مسلمانوں پر بیتاہے وہ حرف بہ حرف تاریخ کے صفحات میں نقش ہوا ہے۔جس میں انکے عروج سے لیکر زوال تک اور کامیابی سے لیکر ناکامی تک کی داستان روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ہر دور میں مسلمانوں پر جو سامراجیت اور جارحیت اختیار کی گئی ہے شائد وہ امن کے نام نہاد فرشتوں سے مخفی ہو لیکن تاریخ انکے لہو کی گواہی آج بھی دے رہی ہے موجودہ دور میں شام اور یمن سے لیکر کشمیر کی وادیاں لہولہان ہیں۔یہ کوئی پہلا موقع نہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کو تہہ تیغ کیا جارہا ہو بلکہ چودہ صدیوں سے یہ آمرانہ اور جارحانہ صورتحال مسلمانوں کے خلاف اختیار کی جارہی ہے اور اپنے مفاد اور انا کی خاطر بہت سی قومیں مسلمانوں کے آڑے آئیں اور ان پر ظلم اور ستم کے پہاڑ ڈھائے لیکن تاریخ انسانیت میں آج انکے ذکر کو فراموش کر دیا گیا بلکہ نہ صرف بے کسی کی داستان بھلائی گئی بلکہ برعکس ظلم اور جبر کاالزام کا طوق ان کے گلوں میں ڈال کر مسلمانوں کو ظالم اور جابر اور اسلام کو ظلم اور جبر کا مذہب قرار دے دیا گیا۔ذرا تاریخ کے صفحات الٹ کر دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے عدل وانصاف کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے دشمنان اسلام نے کس قدر اور کس طرح سے اسلام کو اور مسلمانوں کو نیست ونابود کرنے کی اور مٹانے کی کوششیں اور سازشیں کی ہیں۔ مزید کہ جس دہشت پسندی کو سیکولر اور متمدن حضرات مسلمانوں سے منسوب کرتے ہیں تو معلوم ہونا چاہئیے کہ ان الفاظ کا نہ صرف لفظی بلکہ معنوی اور عملی طور پر اسلامی تاریخ سے کوئی واسطہ اور سروکار نہیں۔اسلام امن وآشتی کا مذہب ہمیشہ سے رہاہے اور اخوت اور محبت کا پیغام لے کر آیا ہے لیکن موجودہ دور میں جو لایعنی اور بے ہودہ خرافات مسلمانوں کے گلے میں طوق بنا کر ڈالی جاتی ہیں ان میں بیشتر وجوہات ہیں جن میں سے پہلی وجہ یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کے صحیح اور سچے روشن پہلوؤں کو چھپا کر اور خفیہ دستاویز بنا کر رکھا گیا اور قوم کو ناآشنا رکھا گیا کہ کہیں اسلام کی عظمت ومحبت انکے دلوں میں جاگزیں نہ ہو۔دوسری وجہ

یہ ہے کہ اسلام کے پژمردہ دل اور سو ہو ضمیر بیدار نہ ہو جائیں اور وہ اپنے اسلاف کی میراث نہ یاد کر پھر سے امت مسلمہ کی روشن کرنوں کو نمایاں کریں۔

گنوا دی ہم نے وہ میراث جو اسلاف سے پائی تھی

ثریا سے زمیں پہ آسماں نے ہم کو دے مارا

آج کشمیر لہو لہان ہے، شام بے حال ہے، یمن اور عراق کی صورت افسردہ ہے اور عالم اسلام شکایت زدہ ہے۔ لیکن یہ داستان آج کی نہیں ۱۰ یہ ۱۰۰ سال پرانی نہیں بلکہ چودہ سو سال پرانی داستان ہے جب اہل مکہ نے صحابہ پر ستم کے پہاڑ ڈھائے تھے اور انکو ریگستانوں میں زد کوب کیا تھا اور جنگوں میں لہو لہان کیا تھا اور پھر ہر وقت ہر سانس وہ اسلام اور مسلمانوں کے خاتمے کے لئے رہتے تھے، وہیں اہل یہود کی دشمنی جو چودہ سو سال سے لیکر آج تک اپنا بدلہ لیتی آرہی ہے اور نہ صرف اندرونی قومیں بلکہ عظیم عالمی طاقتیں بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف آتی ہیں جن میں قیصر روم سے لیکر کسری فارس و ایران بھی شامل ہیں۔ یہاں ایک اور دور بھی ختم ہوتا ہے پھر چند صدیاں گزرنے کے بعد پھر وہی روش اور پھر وہی طریقہ کار مسلمانوں کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہے، یکے بعد دیگرے تاتاری حملہ جس میں ہلاکو خان اور چنگیز خان کے ذریعہ تقریبا ۵لاکھ مسلمانوں کا قتل عام ہوتا ہے اور خلافت عثمانیہ کا اختتام ہوتا ہے اور مسلمانوں پر ستم اور مظالم کی شروعات ایک نئے رخ پر آتی ہے۔ اہل اسلام اور مسلم ممالک کی غلامی جو تقریبا ۱۰۰سال کے عرصہ سے بھی زائد رہتی ہے اور اس دوران لاکھوں مسلمانوں کا قتل عام ہوتا ہے خون کی ندیاں بہتی ہیں جسکی مثال اندلس میں سب سے پہلے نظر آتی ہے اور فرڈیننڈ نامی ظالم ڈکٹیٹر انگریز حکمراں ۲۰لاکھ مسلمانوں کو زندہ جلا دیتا ہے، وہیں پھر روسی انقلاب ایک اندھیر اور طوفان ناتواں بن کر ایشیائی ممالک کو اپنے قبضے میں کر لیتا ہے لیکن افسوس یہاں بھی ندیوں اور لہروں کے بہاؤ کی طرح مسلمانوں کا خون بہایا جاتا ہے اور روسی کمیونسٹ اسٹالین جو لینن ظلم اور سفاکیت کی مثالوں کو بالائے طاق رکھ کر لاکھوں کی تعداد میں مسلمانوں کو سائبیریا کی برفیلی پہاڑوں میں پھنکوا دیتا ہے جہاں وہ سردی کے باعث ٹھٹھر کر مر جاتے ہیں اور صفحہ ہستی سے مٹ جاتے ہیں اور انکا نام و نشان فنا ہو جاتا ہے۔ وہیں ڈکٹیٹر شپ اور سامراجیت کی مثال قائم کرتے ہوئے سرب رہنما ڈاوان کارزچ ۵ لاکھ مسلمانوں کہ محض آزادی کے نام پر قتل کروا دیتا ہے اور ظلم اور ستم کی ناقابل یقین داستان قائم کرتا ہے۔ دور حاضر کی تازہ ترین مثال امریکہ کا سابق وزیر اعظم جارج بش جس نے تقریبا ۱۵لاکھ بے گناہ مسلمانوں کا عراق میں اور افغانستان میں قتل عام کروایا اور ظالموں

اور سامراجیوں کی فہرست میں نامزد ہوا۔ وہیں اب ظالم اور ڈکٹیٹر شامی حکمراں بشار اسد جو ایک خونخوار انسانی درندہ بن کر مسلمانوں کا قتل عام کروا رہا ہے اور تقریبا ۳لاکھ مسلمان اسکے ہاتھوں مر چکے ہیں اور ۱۰لاکھ سے زیادہ مسلمان بے گھر ہیں۔ یہ وہ مثالیں ہیں جن کو دنیا کہاوت سمجھ کر ہوا کر دیتی ہے یا پھر قصہ کہانی اور افسانہ سمجھ کر فراموش کر دیتی ہے۔ لیکن یہ قصہ پارینہ تاریخ کے صفحات میں روشن رہا ہے اور رہے گا کہ اسلام اور مسلمان روز اول سے انسانیت اور امن وسلامتی کا پیام لیکر آئے تھے اور بدستور آج تک اسی موقف اور دستور پر قائم ہیں اور تا قیامت رہیں گے۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی صورتحال

ہندوستان خطہ ٔ ارض میں ایک شایان شان حیثیت رکھنے والا ملک ہے، ازل سے یہاں کی خصوصیات اس جہاں پر عیاں رہی ہیں، اسلام کی آمد کے بعد بھی یہاں کا دور تابناک رہا ہے، جو ساڑھے آٹھ سو سال کی طویل مدت تک اسلامی بادشاہت کی شکل میں تاریخ کے صفحات پر محفوظ ہے، اس عظیم بادشاہت کا زوال ایسٹ انڈیا کمپنی کے وجود میں آنے کے بعد اور بہادر شاہ ظفر کے خاتمے سے ہوا، اسکے بعد ہندوستان پر مہلک اور فتنہ انگیز دور گزرا جو اس ملک میں آتشی انقلاب کے طور پر ظاہر ہوا اور خون کے سیلاب بہا کر اس وطن کا استقبال کیا اور ظلم و جبر کی اعلی مثالیں قائم کیں۔ اس دور کو ہم فرنگیوں کی غلامی سے منسوب کرتے ہیں، ہند کی غیور اور حقانی شخصیات نے اس غلامی کے خلاف صدا بلند کی اور آزادی کا نعرہ لگایا اور ان میں بھی بالخصوص علماء و دانشوران ملت نے انگریزوں کی سخت مخالفت کی اور ان سے مختلف مقامات میں برسر پیکار ہوئے اور وطن کی آزادی کے لئے جلیاں والے باغ میں اور بالاکوٹ کے میدان میں اپنے جان و مال کا نذرانہ پیش کیا۔

بہر کیف مخلصوں کی کاوشیں رنگ لائیں اور ہندوستان ایک آزاد جمہوری ملک بن گیا، لیکن یہاں کے مسلمانوں کے ساتھ گردش زمانہ نے بیوفائی کی، اور فرقہ پرست طاقتوں نے یہاں پروان چڑھنا شروع کیا چونکہ یہودی اور صہیونی سازشیں یہی تھیں کہ مسلمانوں کو عزت و آرام کے ساتھ چین اور سکون کے ساتھ نہ رہنے دیا جائے لہذا آزادی کے بعد بھی انہیں حق کی مکمل پیروی نہ کرنے دی جائے، اس لیے انہیں یہاں بھی نیست و نابود کرنے کی اور چاروں طرف سے دبانے کی کوششیں گئیں، انکے حقوق کو پامال کیا گیا انکے شہیدوں کے لہو سے غداری کی گئی، اور جو ایک جمہوری اور سیکولر آدمی کی ضروریات ہیں خواہ سیاسی اعتبار سے ہوں یا اقتصادی اعتبار سے اجتماعی اعتبار سے ہوں یا انفرادی اعتبار سے مسلمانوں کی ان ضروریات کو نظرانداز کیا گیا اور دہشت گردی کے الزامات میں پھنسا کر نہ جانے کتنوں کی زندگیوں کا ساتھ کھلواڑ کیا گیا۔ غرض یہ کہ مسلمان انتہائی ناخواندہ ناگفتہ حالات کا شکار ہو گئے۔

ان حالات کے چند پہلوؤں کے بانی خود مسلمان بھی ہیں اور چند ایک غیر مسلم بھی جو جرم کے زمرے میں شامل ہیں۔ چند وجوہات میں سے ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کی جانب سے سیاست (Politics) کے تئیں ذمہ داری سے لاپرواہی و بے رخی ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج حقیقی معنی میں مسلم لیڈران گنی چنی تعداد میں ہیں۔ اگر ہم اپنی تاریخ کو اور اتہاس (Past history) کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں خلافت عثمانیہ و عباسیہ کا روشن و تابناک دور نظر آتا ہے۔ انکی سیاسی خردمندیاں معلوم ہوتی ہیں۔حضرات خلفائے راشدین کی سیاسی سرگرمیاں معلوم ہوتی ہیں انکی مصلحتیں و دانشمندیاں ہمیں ایک اچھی اور صاف ستھری راج نیتی اور سیاست کرنے کا طریقہ سکھلاتی ہیں۔سب سے بڑھ کر سرور کائنات محمد ﷺ کی سیرت مبارکہ بھی انفرادی، اجتماعی، اخلاقی، اقتصادی زندگی کا ساتھ ساتھ سیاسی وفکری کارگاہ حیات کا ایک مستقل رخ پیش کرتی ہے۔ آنحضور ﷺ انسانیت کے لئے علمی و عملی نمونہ ء کامل ہیں۔ آپ ﷺ نے زندگی کے ہر گوشے کو اور ہر شعبے کو مثبت انداز میں اور آسان وسہل اسلوب میں انسانیت کے سامنے پیش کیا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالی نے آپ ﷺ کے تئیں مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا ہے کہ: لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ اسوہ ء حسنہ سے مراد آنحضور ﷺ کی زندگی کے تمام شعبوں میں خواہ وہ دینی لحاظ سے ہوں یا دنیاوی لحاظ سے آپ ﷺ کی زندگی اس امت کی لئے خیر و بھلائی کا سنگم ہے اور یہی صراط مستقیم ہے۔

لہذا ہماری سیاسی زندگی بھی آپ ﷺ کے متعین کردہ اصول وضوابط کے ماتحت ہونی چاہئیے اور سیاسی میدان میں مفید کارگر ثابت ہو کر اس میں سچائی اور امانت داری کو سمونا چاہئیے اور امن وشانتی کا ایک مثالی نمونہ بنانا چاہئیے۔ عدل و انصاف کی حمایت اور ظلم و جبر کی مخالفت ہماری رگوں میں دوڑنی چاہئیے، فرقہ پرستی کا مقابلہ کرتے ہوئے سیکولرزم کا نعرہ بلند کرنا چاہئیے۔سماج میں اتحاد واتفاق کا عملی وفکری نمونہ قائم کرنا چاہئیے، کوئی بعید نہیں کہ ایسا کرنے کے بعد ہم بھی اپنے ماضی کی طرح سے تاریخ کے صفحات پر روشنی اور نور کی لازوال داستاں رقم کریں۔

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

بابری مسجد و رام مندر معاملہ اور موجودہ صورتحال

جب سے ہوش سنبھالا ہے بہت سے مسائل نگاہوں کے سامنے آئے جن میں خاص طور سے مسئلہ کشمیر اور بابری مسجد کا مسئلہ ہے، بابری مسجد ۱۹۹۲ کو شہید ہوئی تھی اور اسکے بعد سے حالات روز بہ روز بگڑتے چلے گئے اور اس مسئلہ کو لیکر مادر ہند کو دو مختلف مذہب کے ماننے والوں میں بیشتر جھڑپیں ہوئیں فسادات ہوئے اور مقدمے چلے، یہاں تک کہ یہ مسئلہ عالمی میڈیا تک میں سرخیوں پر آیا، اور ہزار کوششوں کے باوجود کوئی اس معمہ کو سلجھا نہیں سکا، ذرائع ابلاغ سے لیکر ہر بڑی چھوٹی تنظیم اس مسئلہ کا حل لیکر آئی لیکن باہم اتحاد نہ ہوا، اس مسئلہ کو مذہب سے علیحدہ باضابطہ ایک سیاسی ایجنڈہ بنادیا گیا، کل اخبارات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت مولانا سلمان حسینی ندوی صاحب اور شری شری روی شنکر صاحب کے درمیان ایک میٹنگ ہوئی جس میں مولانا نے ایودھیا کی متنازعہ زمین کو رام مندر بنانے پر رضامندی ظاہر کی ہے اور اس کے عوض میں وہیں دوسری جگہ مسجد اور یونیورسٹی کی زمین کے لئے مطالبہ کیا ہے، ہندو و مسلم دونوں فریقوں کے لئے یہ دونوں حضرات محتاج تعارف نہیں، جہاں تک امید کی جارہی ہے ہندو مذہبی پیروکار اس بات پر آمادہ ہوجائینگے لیکن! مسلمان اس بات پر رضامند نہیں، وہیں مسلم پرسنل لابورڈ کے ترجمان وعہدیداران کی جانب سے یہ پیغام بھی آگیا کہ مولانا سلمان صاحب کی یہ کوشش بے سود اور رائیگاں ہیں، ان حضرات کا ماننا یہ ہے کہ انکے پاس مضبوط دلیلیں اور ٹھوس ثبوت ہیں کہ متنازعہ اراضی کے اصل حقدار کون ہیں! ہم اگر اسلامی نظریہ سے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے نجس جگہوں کے علاوہ پوری زمین کو مسجد یا جائے نماز قرار دیا ہے، نیز مصلحت کے تحت مسجد منتقل کرنا بھی شریعت اسلامی میں جائز ہے، اور یہاں مصلحتیں اور شرائط بدرجہ اتم موجود ہیں کیونکہ اختلافات بین الفریقین حد درجہ پائے جاتے ہیں اور فساد وعناد کا خوف ہی نہیں بلکہ ظاہری شکل بھی موجود ہے، ملت کے نونہالان آئے دن کسی نہ کسی مصیبت کا شکار ہورہے ہیں جن کی بنیادی ایک وجہ یہ بھی ہے، رام مندر کے تعلق سے ہندو مذہب میں وہ اتفاق ہوا جو شاید پہلے دیکھنے کو ملا ہو، یہی نہیں بلکہ اس مسئلہ کا سیاسی رخ اس نتیجہ تک

پہنچ گیا جو آج ہمارے سامنے ہے، عدلیہ سے لیکر حکومت تک آئین ہند ہر لمحہ قلم کی نوک پر رام مندر کے حق میں فیصلہ سنانے کو تیار ہے، دلیل ہیں وہ اہل مناصب جو مندر کی تائید میں اور حمایت میں مستقل سرگرمیوں میں مصروف ہیں، مسلم فریق کو تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ اقلیت میں ہیں اور صرف اس ایک مسئلہ کی وجہ سے جتنا نقصان اور جتنی خونریزی اور جتنا فساد ماضی میں ہوا اس سے کہیں زیادہ مستقبل میں ہوسکتا ہے، اور خدانخواستہ جو حالات فلسطین و میانمار میں ہوئے وہی یہاں بھی نہ دہرادئے جائیں اور فرقہ پرست طاقتیں حتی الامکان اسی کوشش میں ہیں، مذہب پسندی ضروری ہے لیکن اسکے ساتھ مصلحت بھی ضروری ہے، ہمیں قرآن وحدیث سے بہت سی ایسی دلیلیں ملتی ہیں جن میں ظاہری طور پر فیصلہ اہل اسلام کے خلاف لگتا ہے لیکن وہی درحقیقت دانشمندانہ فیصلہ ثابت ہوتا ہے، مذہبی عصبیت سے بالاتر اس وقت یہ معاملہ ایک انا کا ہے جس کے خاطر جتنا لہو بہادیا جائے کم ہے یہی سوچ ہے جو شاید قوم کو تباہی کہ دہانے تک لے جائے اور جسکے نقصانات کے کوئی انتہا نہ معلوم ہو، مسلم قوم ہمیشہ سے دور اندیش رہی ہے اور یہ فالوقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے، اس ضرورت کے مدنظر مسلم پرسنل لاء و دیگر ملی تنظیموں کا باہم اتفاق انتہائی ضروری ہے، عدالت عظمی یعنی سپریم کورٹ کا فیصلہ خواہ مسلمانوں کے حق میں آئے یاں انکے خلاف آئے دونوں صورتوں میں مسلمان ہی نقصان میں ہیں، حق میں آئیگا تو فسادات کا اندیشہ اور خلاف آئیگا تو ز میں ہی نہیں بلکہ بنیادی حقوق کی جتنی حق تلفی ہو رہی ہے اس سے کہیں زیادہ ہوگی، فرقہ پرست طاقتیں علانیہ طور پر تشدد کا بازار گرم رکھیں گی، لہذا یہ مسئلہ فریقین آپسی رضامندی کے ساتھ حل کریں اور اس کے لئے جو بھی کوشش ہوسکے کریں اور تاریخ کے صفحات میں محبت واخوت کی ایک مثال قلمبند کریں۔

(یہ مضمون سپریم کورٹ کے فیصلہ سے پہلے لکھا گیا تھا)

مشاہدات

حصہ اوّل

یا رنج و بلا کا خوف نہ کر یا نام نہ لے آزادی کا

(جامعہ، شاہین باغ، غیر آئینی قوانینCAA NRC، پر تفصیلی مضمون جو کہ تاریخ بھی ہے اور انقلاب کی داستان بھی ہے)

لازم ہے گلستاں میں کہ ہر آنکھ وا رہے
جب باغباں کے ہاتھ میں خنجر کھلا رہے
خیبر رہے، حنین رہے، کربلا رہے
دنیا میں ہم جہاں بھی رہے با وفا رہے

وہ ایک تاریک شام تھی، چہار سو گھٹا چھائی ہوئی تھی، بارش بدستور جاری تھی، اویسی صاحب کے پارلیمنٹ میں بل پھاڑنے سے لیکر علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلباء کے علم احتجاج بلند کرنے تک ہر طالب علم کے ذہن و دماغ میں تشویش کی لہر دوڑنے لگ گئی تھی، سرزمین دیوبند سے نانوتوی کے سپوتوں نے اس شام مغرب کی نماز سے قبل صدائے حق بلند کی اور جی ٹی روڈ بلاک کر نماز ادا کی، ابنائے جامعہ کرب و بے چینی کے ساتھ مختلف جمعیتوں میں اور ٹولیوں میں مشورے کر رہے تھے کہ پر امن احتجاج کی صدا کہاں سے بلند ہو! تبھی بنات جامعہ اور قوم کی ہوش مند دلیر اور غیور بیٹیاں دار الاقامہ سے We Want Justice اور انقلاب زندہ باد کے نعرے لگاتی ہوئی آتی ہیں۔

کام ہے میرا تغیر نام ہے میرا شباب
میرا نعرہ انقلاب. انقلاب. انقلاب
ورق سے برق کے مانند لہراتا ہوا

موت کے سایہ میں رہ کر موت پر چھایا ہوا۔

جم غفیر ۷ نمبر گیٹ باب آزاد پر جمع ہوتا ہے، اور اس مجرمانہ قانون کے خلاف آزادی کی صدا بلند ہوتی ہے، شیخ الہند اور ذاکر حسین کی یہ جامعہ ایک صدی سے خاموش تھی، منصوبہ بندی کے تحت یہاں یونین ختم کی گئی تھی، شہریار کہا کرتے تھے کہ یہ رسمی مسلم یونیورسٹی ہے، دینی تقاضوں سے نا آشنا ملی خدمات سے قطع نظر یہاں محض مفاد پرستی پائی جاتی ہے، لیکن انا الحق کی صدا جو یہاں سے بلند ہوئی اور اگلی صبح ہوتے ہوتے ہر فرزند جامعہ اس کا گواہ بنتا گیا، جمعہ کا دن تھا، ہم نے جامعہ کی جامع مسجد میں نماز ادا کی اور امام صاحب کے سیاسی خطبہ پر استغفار پڑھا جو یہ کہتے نہیں تھک رہے تھے کہ آپ لوگ اپنے کاموں کو بدستور جاری رکھیں، ملی بقاء کے لئے گویا اب انکے نزدیک صدا بلند کرنا غیر ضروری اور شرعی تقاضوں کے خلاف تھا، خیر باب آزاد سے آزادی کی صدا بلند ہوئی جس نے جے این یو کے طلبا میں ہمیشہ سے ہمہ گیر جوش وولولہ پیدا کیا، آج وہ صدا جامعہ کی درو دیوار سے اٹھ رہی تھیں، پارلیمنٹ تک امن واستحکام برقرار رکھتے ہوئے مارچ نکلنا تھا جو تین بجے رفتہ رفتہ اپنے قدم بڑھانے لگا، انقلاب زندہ باد، تاناشاہی نہیں چلے گی کہ نعرے لگ رہے تھے، اور آگے بیر یکیٹ لگے ہوئے تھے، سرکاری نمائندوں اور دہلی پولیس کا ماننا تھا کہ امن مارچ سے امن کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے لہذا آگے نہ بڑھنے دیا جائے، ہمارے ساتھ جامعہ کے طلبا کے علاوہ ندوۃ العلماء کے چند ابنائے قدیم بھی تھے، یکا یک شام ڈھلنے سے پہلے ہی پولیس نے آنسو گیس لگاتار داغنے شروع کئے، ہم بیک فٹ آتے رہے کہ کچھ دکھائی دے، آنکھیں کھولنا مشکل ہو رہا تھا، سانسیں رک رہی تھیں، تو کشمیری طلبا جو ان حالات سے ہمیشہ سے دوچار ہوئے ہیں انہوں نے ہم اور دیگر طلبا کو نمک دیا کہ آرام ملے، طلبائے جامعہ کہ ساتھ اساتذہ ایسوسیشن بھی موجود تھی لیکن سب بے بس تھے، پولیس نے کئی طلبا پر بے دریغ لاٹھی چارج کی اور معصوموں کو زخمی کیا، یہی تک بس نہیں بلکہ جامعہ کی سرحد میں گیٹ سے گیس کے گولے داغے، ان توپوں کے سایہ میں ہم نے مغرب وعشا کی نماز ادا کی، رب ذی الجلال گواہ ہے کہ اپنے ہوش میں میدان رابعہ عدویہ کے بعد یہ دوسرا سانحہ تھا جو ہم دیکھ رہے تھے، محسوس کر رہے تھے، اس قوم کی خاطر جس نے اپنے اسلاف کی میراث بھلادی، تو ثریا نے آسماں سے زمیں پر ان کو دے مارا، شدت پسندوں کی حکمرانی ہونے لگی، کلمہء توحید کی مخالفت ہونے لگی، دینی اصولوں کی اور تشخص کی پامالی ہونے لگی، یہ معیار تو اقوام عالم کے زوال کی اہم کڑی ازل سے رہی اور ابد تک رہیگی، الغرض یہ کہ اس اندھیری رات میں بھی طلبا جامعہ میں رہے اور ہم بھی دیکھینگے

نغمہ کا احساس زندہ کرتے رہے۔

ہم دیکھیں گے، ہم دیکھیں گے
لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے
وہ دن کہ جس کا وعدہ ہے
جو لوحِ ازل میں لکھا ہے
جب ظلم و ستم کے کوہ گراں
روئی کی طرح اُڑ جائیں گے
ہم اہلِ صفا مردودِ حرم
مسند پہ بٹھائے جائیں گے
سب تاج اچھالے جائیں گے
سب تخت گرائے جائیں گے

نوید صبح انقلابی کرنوں کے ساتھ اجاگر ہوئی، جوش و خروش بڑھتا رہا، جمہوری ملک میں ہٹلر کی تاناشاہی کے خلاف آوازیں تیز ہونے لگیں، حاکمیت سے غلامی سے دستبرداری کا عہد کیا گیا، اور مستقل طور سے تحریک کی ابتدا ہوئی کہ جب تک یہ ظالمانہ قانون واپس نہیں ہوگا تحریک ختم نہیں ہوگی۔

یا رنج و بلا کا خوف نہ کر یا نام نہ لے آزادی کا
جب ولولۂ پرواز نہیں الزام نہ لے آزادی کا
آزادی کو تلواروں کی آغوش میں پالا جاتا ہے
آبادی کو بربادی کے سانچوں میں ڈھالا جاتا ہے
میدان وفا میں جینے کا ارمان نکالا جاتا ہے
غیرت کے سنہرے پرچم کو سر دے کے سنبھالا جاتا ہے

تیغوں کے سایہ میں خوف کے طوق سے آزاد ہماری بہنوں بیٹیوں نے اس تحریک کی قیادت کو اپنے ذمہ لیا کیونکہ قائدین اب قاعدین ہو چکے تھے، یہودی اور عیسائی رہبانیوں کی طرح وہ قومیت سے بے خبر مدرسوں مسجدوں خانقاہوں میں چوڑیاں پہن کر دو جھوٹے آنسو بہانے میں لگ گئے تھے۔

حرم فروش فقیہوں کے حوض کوثر سے

مغنیہ کے لبوں کی شراب بہتر ہے

یاد رہے کہ ابنائے جامعہ نے تحریک کی ابتدا سے قبل علمائے ہند کے نام ایک اپیل کی تھی کہ آپ قیادت کرئے ہماری، ہمیں آپ کی ضرورت ہے، نبیوں کے وارثین آپ ہیں، لیکن جو ستر سال سے جنگ آزادی میں علماء کا کردار گناتے تھے ایسا لگنے لگا تھا کہ ان کا وجود ختم کر دیا گیا ہے، ان کو زنداں میں قید بامشقت کر دیا گیا ہے، دہلی سے پنجاب تک انکی لاشیں پھر سے ایک بار لٹکائی جا چکی ہیں، لیکن یہ محض ایک وہم تھا، ہماری قیادت یاں تو چند عوض میں اپنا دین بیچ چکی تھی یاں پھر بستر مرگ پر تڑپ رہی تھی، یا سجدوں میں اپنی بے حسی دکھا رہی تھی۔

یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محراب مسجد پر

یہ ناداں گر گئے سجدوں میں جب وقت قیام آیا

۱۵ دسمبر کو تیسرا دن ہونے جا رہا تھا، طلبا کے ساتھ اب جامعہ نگر و شاہین باغ کی عوام بھی محاذ پر آ چکی تھی، شام ہوتے ہوتے ایک جم غفیر بے ترتیبی کے ساتھ جامعہ کے راستے سے آگے بڑھ کر جو لینا چوراہے تک پہنچ چکا تھا جہاں دہلی کا پوش علاقہ فرینڈز کالونی واقع ہے، پھر دو بسیں وہاں جلائی گئی نامعلوم افراد کی طرف سے اور پولیس کے ساتھ مزید نامعلوم افراد کے موجود ہونے کی خبر ملی، آنسو گیس اور لاٹھی چارج سے بھیڑ کو پھر سے ایک بار منتشر کیا گیا یہاں تک کہ جو طلباء غلطی سے پولیس کے ہاتھ لگے انکے ساتھ ظلم و بربریت کی ساری حدیں پار کی گئی، پولیس شام ہونے تک جامعہ کی سرحد میں گھس آئی اور پھر جو ہوا وہ آپ سب جانتے ہیں، نامعلوم افراد کے ذریعہ ہوئی بدنظمی کا تانتا جامعہ کے معصوم طلبا پر پھوڑا گیا اور جامعہ لائبریری میں ظلم و بربریت کی ایک نئی داستاں رقم کی گئی، ہمارے حلقہء احباب میں سے عاقب ندوی اور محمد توصیف کو گہرے گھاؤ آئے اور پوری رات انہوں نے جیل کی سلاخوں کے پیچھے کاٹی، ہم اور جے این یو اور دلہی یونیورسٹی کے چند احباب اس سانحہ سے بمشکل ۱۰ منٹ قبل ہی لائبریری سے

بٹلہ ہاؤس کی جانب نکلے تھے، اسی اثنا ندوۃ العلماء سے خبریں موصول ہوئیں کہ وہاں طلبا نے علم احتجاج بلند کرتے ہوئے دیر رات سڑک پر آ گئے ہیں، انکو منظم دستور میں صبح کے وعدہ کے ساتھ انتظامیہ نے واپس بھیجا اگلی صبح پولیس اور طلبا میں ٹکراؤ کی صورتحال بنی، اور کئی بے قصور طلبا کو جیل جانا پڑا، اور اب یہ دونوں واقعات عالمی میڈیا کی سرخیوں پر آ گئے تھے، بسمل کا نعرہ، اشفاق کا نعرہ، بھگت سنگھ کا نعرہ اب ہر زباں پر تھا، سید احمد شہید کی قربانی سے لیکر گاندھی کی تحریک عدم تعاون تک ہر قصہ دہرایا جارہا تھا۔

آج پھر مقتل میں قاتل کہہ رہا ہے بار بار

آئیں وہ شوق شہادت جن کے دل میں ہے

مرنے والو آؤ اب گردن کٹاؤ شوق سے

یہ غنیمت وقت ہے خنجر کف قاتل میں ہے

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے

دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

جامعہ سانحہ کے بعد سے ملک بھر کی یونیورسٹیز و کالجز میں دھلی پولیس کی بربرتا کے خلاف اور اس CAA-NRC-NRP جیسے کالے قوانین کے خلاف آوازیں بلند ہونے لگیں، نیشنل میڈیا میں NDTV, The Wire, Quint، ہی سچائی کو ذرائع ابلاغ کے ذریعہ سامنے لارہے تھے وہیں دوسری جانب دیگر میڈیا تخت نشینوں کے ہاتھ فروخت ہو چکی تھی، لیکن حق کی ذرا سی کرن اندھیروں پر غالب آتی ہے، اور میڈیا کے نام پر ان ضمیر فروشوں کی حقیقت سامنے آتی ہے، ہم نے لکھا تھا کہ:

We have to acknowledge that there's a supportive pillars of this wall of hate, mainly Media, could be the first and best selection to spread ,the false info and propaganda, look at the ABP news, Zee Media, Aj Tak ,India today, Republic tv۔

لیکن نیشنل سے انٹرنیشنل میڈیا نے رپورٹنگ قدرے غنیمت کری، الجزیرہ، بی بی سی، واشنگٹن پوسٹ، نیویارک ٹائمس نے صفحۂ اوّل پر شاہینوں کے ساتھ ہوئی بربرتا کا ذکر کیا، اور عالمی سطح پر فاشسٹ حکومت کے غیر آئینی فیصلے کے خلاف احتجاجات کا یہ سلسلہ شروع ہوا جو بدستور جاری ہے، اور جاری رہیگا جب تک یہ ظالمانہ قانون نہیں ختم ہوتا جب تک یہ مجرمانہ عمل ناپید نہیں ہوتا، مذہبی بھید بھاؤ کا کھیل نہیں مٹتا

کیونکہ ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا کے، خون پھر خون ہے ٹپکے گا تو جم جائیگا۔

ظلم کی بات ہی کیا، ظلم کی اوقات ہی کیا

ظلم بس ظلم ہے آغاز سے انجام تلک

خون پھر خون ہے، سو شکل بدل سکتا ہے

ایسی شکلیں کہ مٹاؤ تو مٹائے نہ بنے

ایسے شعلے کہ بجھاؤ تو بجھائے نہ بنے

ایسے نعرے کہ دباؤ تو دبائے نہ بنے

تحریک مذہبی نہیں ہے اور نہ ہوگی، اسلام اور مسلم قوم کی سالمیت کے لئے خاص بھی نہیں ہے، یہ تحریک جمہوریت کی بقا کی کوشش ہے، امبیڈکر کے دستور کو بچانے کی تحریک، ہندو مسلم کو جوڑنے کی تحریک، شر پسند عناصر کو خارج کر امن و امان برقرار رکھنے کی تحریک، گاندھی کی تحریک، آزاد بھارت کی تحریک جو عصبیت کے خلاف ہے، جو ہندوتو کے خلاف ہے، جو دو قومی نظریہ کے خلاف ہے، جناح وساورکر کی سوچ کے خلاف ہے، آزادی کی تحریک کا اٹوٹ انگ ہے وہ انگریزوں کے خلاف تھی یہ انگریزوں کے زرخرید غلاموں کے خلاف ہے، یہ چند لوگوں کی خوشیوں کے خلاف ہے، وہ جو سائے میں ہیں مصلحت کے پلے انکے خلاف ہے۔

جن کے دستور کو صبح بے نور کو

ہم نہیں جانتے ہم نہیں مانتے،

پھول شاخوں پہ کھلنے لگے تم کہو

جام رندوں کو ملنے لگے تم کہو

چاک سینوں کے سلنے لگے تم کہو

اس کھلے جھوٹ کو ذہن کی لوٹ کو

میں نہیں مانتا میں نہیں جانتا

عہد شباب میں ہیں آپ، بوڑھی قیادت ہاتھ جوڑ کر کہہ رہی ہے کہ ظلم سہہ لو مگر خاموش رہو، حد سے حد تمہارا حال برما اور چین کے مسلمانوں جیسا ہوگا، زیادہ سے زیادہ مار دیے جاؤ گے، مگر مظلوم تو رہو گے، بے قصور ہو گے، آزادی کا نام نہ لو، کیونکہ کشمیری لیتے تھے ہم نے ان کا ساتھ نہیں دیا، فلسطینی لیتے تھے ہم نے ان کا ساتھ نہیں دیا، اخوان لیتے تھے ہم نے انکی بات نہیں سنی، حرم اقصی سے لیکر بابری مسجد تک ہم نے اغیار کے کاشانوں پر لٹادی، کہ ہم سلامت رہیں، ہمارا مسلک بلند رہے، سر بکف رہیں، لیکن یاد رہے گھبرانا نہیں ہے، تیغوں کے سایہ میں ہم پل بڑھ کر جواں ہوئے ہیں آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا۔

مانا کہ بساط عالم پر مجبور ہے تو لاچار ہے تو
باطل کے عساکر کے آگے ٹوٹی ہوئی اک تلوار ہے تو
آباد ہیں وہ برباد ہے تو زردار ہیں وہ نادار ہے تو
وہ روئے زمیں کے مالک ہیں اور دوش زمیں پر بار ہے تو
لیکن یہ جہاں سب تیرا ہے تاریخ سلف دہراتا چل
ایمان و عمل کے بربط پر اسلام کا نغمہ گاتا چل

اب لازم ہے کہ گلستاں کو ہر وار سے بچایا جائے، وطن کی فکر کی جائے کہ مصیبت آگئی ہے، اور آسماں میں بربادیوں کے مشورے ہونے لگے ہیں، قوم کی فکر کی جائے کہ یہ عہد ضلالت مٹ جائے، یہ تاریک شب گزر جائے، یہ ظلم کی دنیا کروٹ لے، یہ دور ہلاکت مٹ جائے، بس نام رہے اللہ کا جو حاضر بھی ہے غائب بھی، جو ناظر بھی ہے منظر بھی، جو ازل سے ہے اور ابد تک رہیگا، شب غفلت میں سوئے قوم کے جوان جاگ اٹھیں، قنوت وتہجد کا اہتمام ہو، دعا و دعوت کے تقاضے پورے ہوں، زہر حقیقت کو لبوں سے چومیں، دینی قومی ملی سالمیت اور اسکی بقا کے لئے ہر کس و ناکس ہمہ تن گوش ہو، بن قاسم، اور ایوبی مثال ہوں، قرآن وسیرت و آئین دستور ہو، حرم مادی اور حرم ظاہری کے لئے پاسباں ایک ہوں، امن، محبت واخوت کی ایک نئی داستاں رقم ہو، برادران وطن کو لیکر ایک قدم حق وانصاف کی طرف بڑھائیں، وہ دو قدم بڑھ آئینگے، اور خدا ذوالجلال ہم سب کا حامی و ناصر ہوگا۔

پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی

نالۂ صیّاد سے ہوں گے نوا ساماں طیور
خُونِ گُلچیں سے کلی رنگیں قبا ہو جائے گی

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

حصہ دوئم

جب ولولۂ پرواز نہیں الزام نہ لے آزادی کا

میری آہ منتظر ہے کسی اور صبح نو کی
یہ سحر تجھے مبارک جو ہے ظلمتوں کی ماری

جو تم نہ دو گے، ہم لے کے رہینگے آزادی کی یہ صدا اب تعلیمی اداروں اور طلباء سے نکل کر ایک نیا رخ لے چکی تھی، اب جامعہ و علیگڑھ و جے این یو کے طلباء کے ساتھ ساتھ شاہین باغ محاذ پر کھڑا ہو چکا تھا، جامعہ سانحہ کے دو دن بعد سے شاہین باغ کی ماں بہنیں سایۂ احتجاج میں ضو فگن تھیں اور لگا تار یہ ۴۰ روز سے یہاں ظالم کے ظلم کے خلاف آواز گو تھیں۔

ظلمی جب جب ظلم کریگا ستہ کے گلیاروں سے
چپہ چپہ گونج اٹھیگا انقلاب کے نعروں سے

رفتہ رفتہ یہ چنگاری ملک کے دیگر حصوں میں بھی شعلے بھڑکا رہی تھی، دہلی میں شاہین باغ جیسے کئے مقامات بدستور اپنا احتجاج درج کرا رہے تھے، مصطفی آباد، جامع مسجد، خان مارکیٹ، ترکمان گیٹ اور ملکی سطح پر شاہین باغ اورنگ باد، گھنٹہ گھر لکھنؤ، اقبال گراؤنڈ بھوپال، کربلا میدان اعظم گڑھ و دیگر مختلف جگہوں پر ۷/۲۴ پر CAA-NRC-NPR جیسے کالے قوانین کے خلاف جمہوری ملک کی جمہوری عوام محاذ پر ڈٹی ہوئی تھی، طاقت و شرارت کے بل پر متعدد بار انہیں بر یختہ کرنے اور ہٹانے کی کوششیں کی گئی کہیں پولیس کمبل چرا کے بھاگ رہی ہوتی تو کہیں اشیائے خورد و نوشت کی تنگی کری جا رہی تھی مگر بے سود، اہم بات یہ تھی کہ اولیت ان احتجاجات میں صنف نازک کی رہی، جو کہ علم قیادت بلند کئے ہوئے آگے آگے تھیں۔

پاؤں زخمی سہی ڈگمگاتے چلو

نظریات

راہ کے سنگ و آہن کے ٹکراؤ سے

اپنی زنجیر کو جگمگاتے چلو

نوکش نیک و بد کتنے کوتاہ قد

سر پہ بادل لیے ہیں تہیہ کیے

بارش زہر کا ایک نئے قہر کا

میرے دیدہ ورو! میرے دانشورو!

اپنی تحریک سے اپنی تقدیر کو نقش کرتے چلو

تھام لو ایک دم یہ عصائے قلم

ایک فرعون کیا لاکھ فرعون ہو

ڈوب ہی جائیں گے ڈوب ہی جائیں گے

۲۰۱۱ مصر: جب عبد الناصر کے جانشین حسنی مبارک نے اپنے دور اقتدار میں ظلم و ستم کی انتہاء کر دی تھی، اور تاناشاہی کے ذریعہ ایک عرصہ تک عوام کو یرغمال بنایا گیا تھا، تو اخوان کے سپوتوں کے ساتھ وہ خواتین بھی شامل تھیں جو گود میں بچے لئے ہوئے ظالم و جابر حکمراں کے خلاف سڑکوں پر اتری تھیں، جن میں پردہ نشین بھی تھیں، جینس پہنی جدت پسند لڑکیاں بھی تھیں، جن کے بارے میں حسن البنا شہید نے کہا تھا کہ مجھے امید ہے کہ جینس پہنی ان لڑکیوں کا یہ انقلابی جوش دینی حمیت کو بچانے میں خانقاہی پیروں سے کئی درجہ بہتر ثابت ہوگا، اور پھر تاریخ گواہی دیتی ہے کہ رابعہ عدویہ میدان واقعہ کے بعد جب ہزاروں جانثاروں نے دین وطن کی خاطر جام شہادت نوش کیا تھا تب جا کر ظلم و جبر کے ایک دور کا سدباب ہوا تھا۔

کچھ اصولوں کا نشہ تھا کچھ مقدس خواب تھے

ہر زمانے میں شہادت کے یہی اسباب تھے

ملی قیادت سوالیہ نشان کے بعد میدان میں آنے کے لئے کوشاں تھیں، اپنا وجود درج کرانے کے لئے سیاسی کارکنوں کے ساتھ ساتھ کئے رہبران ملت جاری احتجاج میں لائن میں لگے، ان سے بارہاں مطالبہ کیا گیا کہ بوقت ضرورت تو آپ اوجھل رہے! مگر اب آپ علاقائی طور پر اور ملی اداروں میں بیداری لائیں چہ جائیکہ منظمہ احتجاجات میں زینت بنیں، اگرچہ طلبہ میں قومی حمیت کا انقلابی جذبہ اجاگر ہوا اور وقتاً فوقتاً وہ پیش رفت کرتے رہے مگر وہیں ملی اداروں اور مدارس میں کئی واقعات ایسے پیش آئے جو ملت کے کے لئے ایسے نازک وقت میں شرمندگی کا باعث بنے، جیسے اعظم گڑھ کے جامعہ اسلامیہ کی انتظامیہ کا احتجاج میں شامل طلبہ کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک اور ندوۃ و دیوبند کی انتظامیہ کی بے جا بزدلی اپنے آپ میں سوالیہ نشان ہے!

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غم ناک
نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ!

یہ وہی دانشوران ہیں جنہوں نے آزادی کے ستر سالوں میں محض یہ درس دیا کہ ہمارے آباء و اجداد نے یہ یہ کارنامے انجام دئے، اور آزادی کی لڑائی میں علماء کا اتنا کردار رہا!

ماضی کے سہارے قوم کے رہبروں نے تاریخ کی ورق گردانی تو ضرور کرائی مگر ترقی کی حقیقی راہ ان سے چھوٹ گئی، وہ یہ بتانا ہی بھول گئے کہ آپ کو مستقبل میں کیا کرنا ہے!

آج تک زبان حال گویا رہیں کہ قوم کا ماضی تو تابناک رہا مگر مستقبل کربناک ہو کر رہیگا!

جہاں دیگر اقوام عالم نے اپنے وقت کی سب سے بڑی نامرادی کے بعد سنبھلنا شروع کیا وہیں رفتہ رفتہ ہماری قوم تنزلی کا شکار ہوتی رہی، ماضی قریب میں ہیروشیما-ناگاساکی سانحہ کے بعد جاپان سنبھلا، تو شرق اوسط فراوانیوں کے باوجود انحطاط کی راہ پر گامزن ہوا!

حقیقت روایات میں کھو گئی
یہ امت خرافات میں کھو گئی

۱۷۸۹ء میں فرانس کی خستہ حالت و ناکارہ حکومت کی وجہ سے وہاں انقلابی صدا بلند ہوئی،

اگر چہ اپنے وقت کا سب سے متمدن اور ترقی یافتہ ملک تھا جہاں آزادی رائے سے لیکر حقوق عامہ تک ہر موضوع پر فرانسیسی مفکرین اس دور میں لکھتے تھے جب کہ دوسری جنگ عظیم لڑی جارہی تھی، اور دنیا کا ایک بڑا حصہ غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھا، جنگ کے باعث جس دیوالیہ پن کا شکار فرانس ہوا اور اقتصادی حالات سے دوچار ہوا تو پیرس کے نااہل حکمرانوں کو برطرف کرنے کی آواز اٹھی، نتیجتاً کئی ہزار افراد مارے گئے اور بالآخر نیپولین بوناپارٹ کی قیادت میں انقلاب کے بعد تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوا، اسی طرح ۱۹۰۵ء میں نکولس دوم کی ناکامی کے بعد باضابطہ روسی انقلاب نے ایک رخ لیا جو دنیا کا سب سے عظیم سوشلسٹ انقلاب سے یاد کیا جاتا ہے، حقوق کی اس لڑائی میں پہلی مرتبہ محنت کشوں اور مظلوموں کو حکومت ملی اور بالشویکوں کی انقلابی تحریک نے مزدوروں اور بے کسوں کو ایک نئی سمت دکھائی، لینن کی قیادت میں اور لاکھوں جانثاروں کی شہادت میں سویت یونین روس نے تاریخ رقم کری جس کا نقشہ فیض نے کچھ یوں کھینچا ہے کہ:

سینۂ وقت سے سارے خونیں کفن
آج کے دن سلامت اٹھائے گئے
آج پائے غلاماں میں زنجیرِ پا
ایسے چھنکی کہ بانگِ درا بن گئی
دستِ مظلوم ہتھکڑی کی کڑی
ایسے چمکی کہ تیغِ فضا بن گئی

موجودہ انقلابی فضا کو دیکھتے ہوئے یہ لازم ہے کہ ماضی کی چند مثالیں پیش کی جائیں جن سے سبق حاصل ہو کہ اقوام عالم نے حقوق اور تحفظ انسانیت کے لئے کس قدر قربانیاں دیں اور بالآخر وہ اپنے مقاصد میں کامیاب رہے، اسی طرح ۱۹۴۷ء کی آزادی جو دراصل خارجی عناصر سے آزادی تھی، یہ آزادی انگریزوں سے تھی جو کہ بیرونی تھے، اس آزادی میں جہاں ایک بڑا کردار ہمارا رہا وہیں اہم کردار انکے خارجی ہونے کا رہا، مگر اب جو آزادی کی لڑائی ہے وہ داخلی عناصر سے ہے، جو سو سال سے زائد عرصہ سے ملک کو خانہ جنگی کی طرف دھکیلنے میں کوشاں ہیں، جس کے لئے انہوں نے فورس میں اپنے افراد داخل کئے، عدلیہ میں اپنے کارکنان بٹھائے، حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی، اور نہرو گاندھی وامبیڈکر کے

آزاد بھارت کو توڑ کر سمست ہندو راشٹر کی ستھاپنا کے خواب کو عملی رخ دیا، اندرونی زہر نے اپنی جگہ بنائی اور نفرت کی فضا بنانے میں ایک حد تک وہ کامیاب رہا، نتیجتاً دو سمتیں واضح طور سے ہمارے سامنے آئی ہیں، اور یہاں جا کر سیکولر انڈیا اور کمیونل انڈیا میں بٹوارہ ہوا، کمیونلسٹ اور فاسسٹ طاقتوں کے مضبوط ہونے کی دیگر وجوہات میں اہم وجہ یہ بھی تھی کہ دایاں محاذ اور سیکولرزم کی علمبردار جہتیں کمزور پڑتی رہیں اور ۲۰۱۴ کے بعد عملی طور سے ہر موڑ پر ناکام ثابت ہوئیں، کمزور قیادت، سطحی سیاست، وقتی محنت، سستی شہرت، بے بنیاد شخصیت پرستی، اختلافی نعرے، جھوٹے وعدوں نے انہیں کھوکھلا کر دیا، اور خمیازہ آزاد ہند کے بے قصور نوجوانوں اور راور نوزائدہ بچوں کی ماؤں اور بہنوں کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔

برسوں سے ہو رہا ہے برہم سماں ہمارا
دنیا سے مٹ رہا ہے نام و نشاں ہمارا
کچھ کم نہیں اجل سے خواب گراں ہمارا
اک لاش بے کفن ہے ہندوستان ہمارا

آزادی کے نعروں سے جن کو بیر ہے یہ وہیں ساورکر کی اولادیں ہیں جنہوں نے انگریزوں کو معافی نامے لکھے، جنہوں نے ٹو نیشن تھیوری کو اپنایا، جنہوں نے ذات اور مذہب کی بنیاد پر ہمیشہ سے بٹوارہ کرنا چاہا، جو ۱۸۵۷ء سے ہی اغیار کی مخبری کا کام کرتے آئے، جو لفظ آزادی سے گھبراتے آئے کیونکہ وہ لمبے عرصہ تک غلام رہے اور جہاں ان کا بس چلا وہاں غرباء کو غلام بنایا، ہندوستان کے آزاد ہوتے ہوتے یہ روپوش ہو گئے تھے، انہوں نے اپنے وجود کو رفتہ رفتہ تقویت بخشی کہ اشفاق اللہ خان اور بھگت سنگھ کی آزادی کو تاریخ کے صفحات سے مٹایا جا سکے، گاندھی واد کو ناپید کیا جا سکے، امبیڈکر کا قانون بدلا جا سکے، آزاد ہند کو توڑنے کی ہر ممکنہ کوششیں انہوں نے کی، سانحہ گودھرا سے لیکر مکہ مسجد بلاسٹ تک سینکڑوں مثالیں ہیں، جہاں انہیں دہشت گردانہ کارروائیوں میں ملوث پایا گیا، یہ قانون کو سرے سے تسلیم نہیں کرتے، یہ فوج کو نااہل قرار دیتے ہیں، گاندھی پر گوڈسے کو فوقیت دیتے بلکہ اسے اپنا آقا مانتے ہیں، یہ مٹھی بھر ضرور ہیں مگر انہوں نے غریبوں کو لالچ دیکر اپنی بھیڑ میں شامل کر رکھا ہے، امیروں کے مفاد کو آگے رکھ کے انہیں ہر کالے سفید کا مالک بنا دیا ہے، لیکن! لیکن یہ بھول رہے ہیں کہ آزاد ہندوستان ان کی سطحیت سے بہت بلند ہے، کشمیر سے لیکر کیرلا تک، نورتھ ایسٹ سے لیکر پنجاب تک،

چہار سو وہ قوم آباد ہے جو بیدار ہے، جن کے ضمیر جاگے ہوئے ہیں، آزاد ہند کو بنانے میں جن کا کردار رہا ہے، غیور ہیں وہ سرشار ہیں وہ آباد ہیں وہ، غلامی کے طوق سے آزاد ہیں وہ، جنہوں نے ظلم کے خلاف ایک چیین بنائی ہے، جنہوں نے ناانصافی کے خلاف دار الحکومت میں آواز بلند کی، جالیاں والے باغ کے بعد آزاد بھارت کو پھر سے آزاد کرانے کے لئے شاہین باغ دیا، آج ملک کے ہر کونے میں شاہینوں کے باغ ہیں، ۷/ ۲۴ جو علم احتجاج بلند کر رہے ہیں، جن میں شامل ہندو بھی ہیں مسلم بھی، سکھ بھی ہیں عیسائی بھی، ہر ذات ہر مذہب سے ہر فرقہ ہر مسلک سے تعلق رکھنے والے افراد اس چمن کی حفاظت کرنے میں لگے ہیں، جو خاک وطن سے تاحیات باوضو رہتے ہیں اور مرنے کے بعد اسی کی مٹی میں دفن ہوتے ہیں۔

گوتمؔ نے آبرو دی اس معبد کہن کو
سرمدؔ نے اس زمیں پر صدقے کیا وطن کو
اکبرؔ نے جام الفت بخشا اس انجمن کو
سینچا لہو سے اپنے راناؔ نے اس چمن کو
گرد و غبار یاں کا خلعت ہے اپنے تن کو
مر کر بھی چاہتے ہیں خاک وطن کفن کو

عنوان سے مضمون کا غرض عیاں ہوتا ہے، اس عنوان کا ایک پس منظر ہے، مولانا عامر عثمانی صاحب کی یہ مشہور نظم کا ایک مصرعہ ہے جو ۱۹۴۷ء سے قبل دیوبند کے ہر جلسے میں پڑھی جاتی تھی، اس سے قبل یار نج وبلا کا خوف نہ کر یا نام نہ لے آزادی کا کہ عنوان سے ایک مضمون قلمبند کیا تھا جس میں ابتدائی صورتحال اور اسکا پس منظر لکھا تھا، اس وقت موجودہ تحریک آزادی کو طلباء اپنے کندھوں پر لئے ہوئے تھے، مگر اب چونکہ تحریک میں عوام الناس کا بھی اہم کردار ہے تو اس کی دوسری قسط شعر کے دوسرے مصرعے کے ساتھ لکھی ہے، تحریک دگرگوں جاری ہے، سپریم کورٹ نے اگلی سماعت ۴ ہفتوں بعد کی رکھی ہے، عدلیہ سے انصاف کی آس تو ہے مگر جو اعتماد کا ایک درجہ ہونا چاہئے تھا عوام میں اب بظاہر وہ نظر نہیں آتا، تڑیپاروں کا کہنا ہے کہ ایک انچ نہیں ڈگمگانا، اس سے بوکھلاہٹ واضح ہو رہی ہے، عجیب مزاق تو یہ کہ کالے قانون کی حمایت میں جو لوگ آرہے ہیں انہیں مطلب ہی نہیں پتا اس قانون کا، مگر ہاں وہ کھلے لفظوں میں یہ ضرور کہہ رہے ہیں کہ ہم ہندو راشٹر دیکھنا چاہتے ہیں، باشعور نوجوانوں کی قیادت تحریک کو

مضبوط کر کے ان جاہلوں سے برسر پیکار ہے، روز روشن کی طرح یہ بات عیاں ہے کہ آزاد ہند کے آئین کی تمہید کے خلاف ہے یہ قانون، تمہید میں سیکولر اور برابری کا لفظ واضح ہے، مذہب کے بنیاد پر اس قسم کا قانون آزاد ہند پر ایک کالا داغ بن رہا ہے، جس کی مخالفت محض ہندوستان میں نہیں بلکہ امریکہ سے لیکر یورپ تک ہر جگہ ہو رہی ہے، یہ محض اتفاق نہیں کہ ان سرد راتوں میں اور دن کے کہرے میں مرد و زن اپنے تمام تر مصروفیات کو درکنار رکھ قوم و ملت کی خاطر محاذ پر کھڑے ہیں اور ان کی نظریں حق و انصاف کی متلاشی ہیں، وہ علانیہ اقرار کر چکے ہیں کہ اگر عدلیہ اس قانون کو آئینی مانتی ہے تو تحریک عدم تعاون شروع کی جائیگی، ۱۹۰۶ء میں گاندھی نے پہلی بار ستیہ گرہ کیا تھا، اور یہ ستیہ گرہ افریقن سرکار کے خلاف تھا جنہوں نے ہندوستانیوں پر یہی شہریت قانون لاگو کیا تھا، جس کے جواب میں شہریوں نے کاغذات جلا دئے تھے، ہو بہو اسی طرح آج عوام نے پختہ عہد کر لیا ہے کہ ہم کاغذ نہیں دیکھائینگے، تم زہر کی چائے ابالوگے ہم گٹ گٹ پی جائینگے، ہم کاغذ نہیں دیکھائینگے!

شیدائے بوستاں کو سرو و سمن مبارک
رنگیں طبیعتوں کو رنگ سخن مبارک
بلبل کو گل مبارک گل کو چمن مبارک
ہم بے کسوں کو اپنا پیارا وطن مبارک

آزادی کی اس لڑائی میں جو ہمیشہ قیادت کے دعویدار رہے وہ ناپائدار رہے، ان کا وجود سمندر میں قطروں کی شکل میں ملا، مگر وہیں ابھرتی ہوئی ایک نئی قیادت دیکھنے کو ملی، کنہیا کمار سے لیکر چندر شیکھر آزاد تک، لدیدا سے لیکر آشو گھوش تک، کئی نام ہیں جن سے قوم کو بہت امیدیں ہیں مگر وہیں بہت سے منتظر فرد ہیں کہ آزادی کا الزام ان کے سر لاد دیا جائے، دستوری تقاریر اور مروجہ مضامین سے ہٹ کر سچائی بیان کرنے والوں اور حقائق لکھنے والوں کو فوقیت ملی، جو کہ خوش آئین قدم ہے، الزامات کے اس بہاؤ سے باہر نکل کر ہمیں ان مخلصوں کی کاوشوں کو سراہنا ہوگا جو قوم کے لئے ایک آواز میں کھڑے ہیں اور ان سے کنارہ کش ہونا ہوگا جن کی آواز میں آج تک قوم کھڑی تھی۔

مانا کہ بساط عالم پر مجبور ہے تو لاچار ہے تو
باطل کے عساکر کے آگے ٹوٹی ہوئی اک تلوار ہے تو

آباد ہیں وہ برباد ہے تو زردار ہیں وہ نادار ہے تو

وہ روئے زمیں کے مالک ہیں اور دوش زمیں پر بار ہے تو

لیکن یہ جہاں سب تیرا ہے، تاریخ سلف دہراتا چل

ایمان و عمل کے بربط پر، اسلام کا نغمہ گاتا چل

نگارشات

میخانہ یورپ کے انداز نرالے دیکھے

دور حاضر اور خاص طور سے بیسویں صدی کے ابتداء کے بعد سے مشرق وسطیٰ اور برصغیر میں کلچر تہذیب اور تمدن میں نمایاں فرق دیکھا گیا ہے, مغربی تہذیب کی یلغار نے مشرقیت کو ملیا میٹ کر کے اسکے وجود کو مٹانے اور اسکے عکس کو تہس نہس کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی یہاں تک اب وہ وقت آچکا ہے جس میں ہمارے معاشرہ کی اکثریت اپنی کامیابی و کامرانی مغربی رنگ میں رنگنے کو ہی تسلیم کرتی ہے وہ اپنی زبان ولہجہ سے زیادہ یورپی زبان کو اہمیت دیتے ہیں اور انکی زبانوں کی نہ صرف اہمیت بلکہ عظمت انکے دلوں پر جاگزیں ہے, انکے لباس و پوشاک کا اس قدر رعب ہے کہ اگر آپ اپنے علاقائی یا سطحی لباس زیب تن کرتے ہیں تو معاشرہ کے نزدیک آپ غیر مہذب اور موڈرن لائف سے ناواقف اور جاہل سمجھے جائینگے، یہاں تک انکے ماکولات ومشروبات میں بھی تقلیدی روش سے بڑھ کر تقلید کی جاتی ہے اور برگر اور سینڈ وچ یا پیپسی اور کوک کا استعمال آپکو مہذب بناتا ہے غرض مجودہ تہذیب کا لباس یورپین تمدن کے ذریعہ ہی آپ زیب تن کر سکتے ہیں نہیں تو آپ قدامت پرست اور نظریہ پرست اور تنگ نظر وغیرہ القاب کے حامل ہونگے لیکن اسکے نقصانات کیا ہیں کس حد تک ملت اپنی تہذیب کے لباس سے عاری ہے اور کس قدر جہالت اور تہذیب کے نام پر عریانیت وفحاشیت کو فروغ ہو رہا ہے اسکا اندازہ شاید آپکے یاں مہذب حضرات کے دسترس میں نہیں اور یہ تقلید ایسی اندھی تقلید ہے جو آپکے حاضر اور اولاد کے مستقبل کے خاتمہ کیلئے سب سے قریب تر اور عظیم تر ہے اسی تقلید کا نقشہ شاعر مشرق علامہ اقبال نے یوں کھینچا ہے کہ: تقلید کی روش سے بہتر ہے خودکشی اور یہاں اسی تقلید نے معاشرہ میں جو فسادی اور الحادی ہوا چلائی ہے شاید اسکا اثر آج کے نونہالان از خود محسوس کر رہے ہونگے، چونکہ راہ اعتدال کو فراموش کرنا ہی اپنی ذات کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کر دینا ہے، اسی تقلید کے برعکس جہاں یورپ کی اچھائی کو اختیار کرنا چاہئے جہاں انکی پابندی ءوقت کو مدنظر رکھنا چاہئے جہاں انکے اچھے کردار و اخلاق کو ملحوظ رکھنا چاہئے وہاں ہم سب فراموش کر بیٹھتے ہیں اور ہاتھ کھڑے کر لیتے ہیں گو یا ان صفات حمیدہ اور اخلاق حسنہ سے ہمارا

کوئی واسطہ نہیں کوئی دور کا رشتہ نہیں جب تقلید ہی کرنی ہے تو مکمل کی جائے یا پھر تقلید کی جو اصل راہ ہے اس کو اخذ کیا جائے لیکن یہاں تو تقلید کا مفہوم اسی معنی میں لیا جا رہا ہے کہ جتنے واہیات اور لایعنی شئے سمجھ آئے اسے ہی اختیار کر باقی سب کو نظر انداز کیا جائے یہ انتہائی قابل افسوس اور قابل ملامت المیہ ہے۔

لہذا آئیں ملکر یہ عہد وفا کریں کہ اندھی تقلید کی طوفانی لہروں سے بچ کر تقلید عملی اور فکری کی اتباع کرینگے اور ہر اچھائی کو اختیار کر برائی کو ترک کرینگے۔

میخانہء یورپ کے انداز نرالے دیکھے

لاتے ہیں سرور اول دیتے ہیں شراب آخر

غبار راہ حجاز ہو جا

موجودہ سعودی حکومت اس وقت عالمی بحران سے دوچار ہو رہی اور یمن کے ساتھ جنگی کارروائیوں میں ملوث ہونے کی وجہ سے سعودی عرب کی اقتصادی شرح میں حد درجہ کمی آئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس ملک کو امریکہ سے قرض لے کر ان مسائل سے چھٹکارا پانے کی کوشش کرنی پڑ رہی ہے تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ سعودی عرب کا جو سب سے بڑا ذریعہ آمد ہے وہ ہے پیٹرول لیکن مجبور ہو کر اسے اس میں سے بھی آدھے سے زائد حصہ امریکن کمپنیوں جیسے آرامکو وغیرہ کو اور امریکی انتظامیہ کو ایک معاہدہ کے تحت بھرنا پڑتا ہے یہ وہ معاہدہ ہے جس کو شاہ فیصل نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا تو امریکی حکمرانوں نے ان کو موت کی گھاٹ اتروادیا تھا اور مجبور ہو کر شاہ فھد بن آل سعود کو اس معاہدہ پر دستخط کرنی پڑی تھی آج اسی کی بھگتان نے سعودی کو اس موڑ پہ لا چھوڑا ہے کہ اب دوسروں کا قرضدار ہو گیا ہے اور حالانکہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہیں کہ اسلامی اور خاص طور سے عرب ممالک کو ڈوبانے اور الجھانے اور انہیں نیست نابود کرنے کی سازشیں آج سے چار سال پہلے سے شروع ہو چکی تھیں جن میں یکے بعد دیگرے تونس اور لیبیا اور مصر اور پھر اب شام اور یمن وعمان پھنستے چلے آئے یہ باضابطہ ایک سوچی سمجھی سازش تھی کہ ان ممالک میں آپسی انتشار وخلش اور بغض عداوت کی آگ بھڑکا کر مسلمانوں کا لہو سرعام بہایا جائے اور انقلابی رنگ دیکر اسکی تائید کی جائے یہ سب وہ شاطرانہ چال بازیاں اور مکر وفریب ہیں جو آہستہ آہستہ گریٹر اسرائیل کی بنیادیں مضبوط کر رہی ہیں تا نکہ اسرائیل اپنے وجود کے دائرے سے باہر نکل کر دنیا میں عظمت اور شان شوکت والا ملک بن جائے خیر ان میں صف اول میں حجاز مقدس بلکہ سعودی عرب نمایاں مقام کا حامل ہے چونکہ اسلام اور اہل اسلام کا مرجع ومنشا اور منبع ہی یہی ہے دشمنان اسلام کی مستقل نظریں اس وقت سعودی عرب واطراف پر ٹکی ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ انکے مقاصد درآمد ہونے پر کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہ آئے پھر بھی سعودی حکومت ہمت ودانشوری سے کام لے رہی ہے لیکن جب تک اسلامی ممالک ایک پلیٹ فورم پر جمع نہیں ہونگے تب تک یہ مسائل پیش

آتے رہینگے اب وہ یا تو جنگی شکل میں آئیں یا پھر اقتصادی شرح میں کمی کی شکل میں آئیں یا پھر آپسی اور اندرونی مشاجرت ومخالفت کی شکل میں آئیں اور معلوم ہونا چاہیئے کہ یہی مسئلہ صرف سعودی کا یا عالم عرب کا نہیں ہے بلکہ ملت اسلامیہ کا ہے اور یقیناً عرب کا نقصان پوری ملت کا نقصان ہے شاید اسی لئے حکومت ترکی اور بعض دیگر غیور حکومتیں ایک قدم پر مملکت حبیبہ کے لئے کھڑی ہیں لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ تمام ممالک حکومت سعودیہ کا ساتھ دیں انکی مدد کریں اور انہیں اس بحران سے نکالنے میں اسکی اعانت کریں اور عالمی عدالت یا اقوام متحدہ میں جو عربی یا اسلامی ملحقہ تنظیمیں ہیں انکی توجہ اس جانب مبذول کرائیں اور اسلام کے علم برداروں اور رہنماؤں کو اس پہلو سے آگاہ کرایا جائے چونکہ انکی نصرت میں ہی آپکی بقا ہے ورنہ وہ دن دور نہیں جب اسلامی خلافت کی طرح اسلامی حکومتیں بھی ایک محدود و متعین دائرے میں سمٹ کر رہ جائیں گی اور اسلامی ریاستوں کے نشانات یہاں تک کہ مستقبل کے امکانات بھی ختم ہو ہو جائینگے اور جیسے آج اندلس کی زہرا یا مسجد قرطبہ یا بیت المقدس یا دیگر اسلامی تابندہ نقوش اپنے اسلاف کی میراث کو یاد کرتے ہیں اور ان کی درودیوار آج ملت اسلامیہ سے اشکوں سے فریاد کرتی ہیں اور اپنی تاریخ کے سنہرے دور کو یاد کر انہیں بھلائے نہیں بھول پاتیں کہیں وہ دور وہ زمانہ وہ وقت دیگر ممالک پہ بھی نہ آجائے اور وہ مکاں سے لامکاں ہوجائیں۔

یہ ہند کے فرقہ ساز آزری کررہے ہیں گویا

نکل کر ان بت کدوں سے غبار راہ حجاز ہوجا

مجھے رہزنوں سے گلہ نہیں تیری رہبری کا سوال ہے

عصر حاضر میں مسلمانوں کے تئیں جو یلغاری طوفان آرہے ہیں اور ان کو ناپید کرنے کی جو سازشیں رچی جارہی ہیں یہ قدرے تشویشناک ہے لیکن ان کے تعلق سے مسلمانوں کا چہرہ اسلام کی معنویت کے برعکس ہے، اسلام اپنے اصول وضوابط کے ساتھ ایک زندہ وجاوید مذہب ہے جسکی حیات جاوداں ابدی ہے اور تاقیامت اس میں ترمیم وتنقید کی قطعی گنجائش نہیں، اور Present day condition یہ ہے کہ مسلمان ان اصولوں سے جفاکشی اختیار کر ان راہبانہ اور فلسفیانہ اصطلاحات کی نذر ہورہے ہیں جو روز اول ہی سے اسلام کی حقانیت کا انکار کرتی آئی ہے، صد افسوس یہ کہ ان میں رہبران امت کا کردار منفی نظر آرہا ہے اور وہ بجائے پیش قدمی کے تنزلی اور پشت پناہی کا شکار ہیں اور جہاں ان کو قیادت وسیادت کا عظیم درجہ دیا گیا وہاں وہ ذاتی مفاد اور بیجا اختلافات کے چنگل میں قید ہیں، اور میرا ذاتی نظریہ یہ ہے کہ بہت حد تک مسلمانوں کی موجودہ صورتحال کے ذمہ دار رہبران امت ہیں، یہاں محض قیادت کا ہی معاملہ زیر تناظر نہیں بلکہ موجودہ دور میں ہمیشہ کی طرح اسلام مخالف سرگرمیوں کے زیر سایہ رہبران امت کا آنا بھی نقطہء کلام ہے، الحاد اور استشراق کی آندھی جو عوام سے لیکر خواص تک ہر ایک کو اپنے لپیٹ میں لئے ہوئے ہے اسکا Effect بالخصوص ان حضرات پر زیادہ نمایاں ہے جن کے ہاتھوں میں امت کے مستقبل کی باگ ڈور ہے اور جن کے لفظوں سے اور صداؤں سے امت کا مستقبل سنورنا ہے پنپنا ہے، میں بالواسطہ کسی جماعت کو نشانہ زد کئے بغیر ہی یہ بات آپکی نذر کردوں کہ جدید اور نوعمر طلباء کو متعینہ منصوبوں کیلئے استعمال کئے جارہا ہے اور انہیں Target کیا جارہا ہے کہ وہ اپنے نام اور بہت حد تک اپنی شناخت کے ساتھ امت کو فکری طور پر کافر کردیں اور ان کے دین وایمان کیلئے خطرہ لاحق ہوں اور اس کا جیتا جاگتا ثبوت عصری تعلیمی ادارے ہیں، کیونکہ دشمنان اسلام بخوبی واقف ہیں کہ جب اس قوم کو بنیادی طور

پر صحیح وسالم قیادت سے عاری کیاجائیگا تو تباہی کے دہانے پر یہ خود ہی آن کھڑی ہو گی،اور قیادت کے ہمیشہ دو ناحیہ رہے ہیں ایک سیاسی قیادت اور دوسری دینی قیادت، سیاسی طور پر تو عرصہ دراز سے اغیار قابض ہیں اور دینی قیادت جو کہ بڑی حد تک مسلمانوں کی مضبوط اور پختہ تھی اب اسکو بھی سلب کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، لیکن ہر دور میں غزالی و رومی آئے ہیں جنہوں نے اس لادینیت کا پرزور مقابلہ کیا اور امت کو سچائی سے اور اسلام کی حقانیت سے روشناس کرایا، قریب کے عرصہ میں علامہ اقبالؒ کی شخصیت تھی جس نے مغربی فلسفہ اور استشراق کا مقابلہ کیا اور انہیں انہی کی زبان اور اصطلاحات میں باطل ثابت کیا اور یقینا اس دور میں یہ بھی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ پھر وہی سے صدائے لن ترانی کی حقانیت کو عیاں وبیاں کرنے والی کوئی ہمہ گیر شخصیت نمودار ہو،اور سطحی نظر ڈالنے سے ہی وہ وجوہات واضح ہو جاتی ہیں کہ جن کی بنیاد پر دینی قیادت بے راہ روی اور افراط و تفریط کا شکار ہو رہی ہے،ان میں سب سے اہم وجہ اسلام کے اصولیات سے ایک بڑی حد تک ناواقفیت ہے اور قرآن وحدیث کی تعلیمات سے ناآشنائی ہے اور سطحی علم کے خطرناک انگارے ہیں جو ایک طرح سے تباہی کے دہانے ہیں، دوسری وجہ عصری علوم اور اصطلاحات سے ناواقفیت ہے کہ جب کوئی شخص دینی ادارے سے باہر آتا ہے تو وہ عموما دنیوی علوم سے بہرہ ہوتا ہے اور تعلیمی استمرار اس ناواقفیت کا فائدہ اٹھا کر رفتہ رفتہ انہیں ذہنی اور فکری اور ایک حد تک ظاہری طور پر بھی جدت اور مغربیت کا غلام بنادیتا ہے،ان کے علاوہ حالات اور ماحول کا فرق بھی نمایاں ہوتا ہے اور امت اپنے قائد کو کھو کر ایک فکری غلام کو اپنے درمیان دیکھتی ہے جو ان کو فکری طور پر اور علمی میدان میں لادینیت کے جانب کوچ کراتا ہے، جو ان سے ان کے ایمان ویقین میں شبہات اجاگر کرتا ہے، جو ان سے جمہور علماء پر تنقید اور تحقیر کی راہیں ہموار کرتا ہے، جو دلائل شرعیہ میں شک اور ترمیم کی گنجائش دیتا ہے،اور یہی وہ المیہ ہے جس نے رہبران امت سے انکا منصب سلب کر ان کو آپسی مشاجرت اور بے جا مسائل کے دلدل میں پھنسادیا اور دشمنوں کو فکر و تدبیر کا سنہرا موقع فراہم کیا۔

دین کافر فکر و تدبیر جہاد

دین ملا فی سبیل اللہ فساد

غربت میں ہوں اگر ہم، رہتا ہے دل وطن میں

ہمارا وطن عزیز موجودہ دور میں جن حالات سے دوچار ہو رہا ہے یہ ہمارے اکابرین اور ملک کے شہیدوں کے لہو کی پامالی ہے، ملک اور اسکی ترقی و کامیابی کو لیکر جو انکے خواب تھے وہ چکنا چور ہو رہے ہیں اور ملک کے نونہال صحیح راہ روش کو اختیار کرنے کے بجائے غلط راہوں پر گامزن ہیں اور اپنے ملک کی ترقی کو لیکر جو ناانصافی آج ہماری قوم کر رہی ہے شاید کسی قوم نے کی ہو۔

آزاد بھارت کے خواب کی مخالفت لوگ نہ صرف اندرون وطن کر رہے ہیں بلکہ بیرون ملک میں بھی وہ اسے ہوا دے رہے ہیں۔ جیسے بہت سے بے غیرت اور ضمیر فروش اور غدار وطن کو اپنے ہندوستانی ہونے میں شرم اور لجاجت ہے، انکا ماننا ہے کہ ہند کی سرزمین میں کچھ نہیں ہے اور یہ خط افلاس سے بھی ماورا معاشی زندگی گزار رہا ہے حالانکہ یہ بات ایک صریح بہتان اور آزاد بھارت پر ایک جھوٹا الزام ہے۔

یوم آزادی کے اس موقع پر میں اپنے پردیسی بھائیوں کے نام ایک پیغام میں محض اتنا کہوں گا کہ وہ نہ صرف اپنی قومیت اور وطنیت پر فخر کریں بلکہ اپنے اعمال اور اپنے اخلاق اور کردار سے یہ بات ثابت بھی کریں کہ وہ اپنی قوم اور وطن کیلئے کتنے وفادار ہیں اور وطن کی سالمیت اور امن وامان کے کس حد تک خواہاں ہیں۔

اور ہندوستان میں عزیزان وطن کیلئے بھی ایک خیر خواہ کی نصیحت ہے کہ ملک کی سالمیت اور یکتا اور آپسی انتشار اور مشاجرت کو بالائے طاق رکھ کر وہ اپنے ملک عزیز کے امن وامان اور ترقی کے کوشاں ہوں کیونکہ ملک اہل سیاست سے نہیں بلکہ عوام کے فیصلوں سے چلتا ہے، اب خواہ جاہ و منصب والے کچھ بھی کریں ذمہ دار عوام ہوگی کیونکہ کرسی کا راستہ عوام دکھاتی ہے اب ان کی سوچ انکے قائدوں میں دانستہ طور پر آئے گی۔

ملک کی موجودہ تشویشناک صورتحال کا خلاصہ یہ کہ لہو گرم ہونے کے باعث یا بالفرض جہالت کی وجہ سے انسانیت کو عظیم خطرہ لاحق ہو گیا ہے اور حیوانیت کی سرشار انسانوں کے لہوں میں جاگزین ہو گئی ہے، مذہب، برادری اور نسلی تعصّبات نے وہ زور پکڑا ہے کہ خون کی بوند پانی کے قطرہ سے بھی ابتر ہے، جانوروں کو انسانوں پر جو کہ اشرف المخلوقات ہے فوقیت دی جا رہی ہے، اہل دین کو نشانہ بنا کر تعصب کا شکار بنایا جا رہا ہے اور عوام الناس کے دلوں میں نفرت اور جہالت کی لو بھڑکائی جا رہی ہے، غریبوں بے کسوں اور مجبوروں کے ارد گرد خوف اور وحشت کے سائے منڈلا رہے ہیں، آزاد بھارت کے شہیدوں کی خون کی کس قدر پامالی ہو رہی ہے اور زندہ دل اور باضمیر انسان کی بس یہی ایک پکار ہے کہ حق تو یہ کہ حق ادا نہ ہوا اور جانبازوں کی محنتوں کی نامرادی آج ہم اپنی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔

عزیزانِ وطن! اب وقت ہے کہ ان نعروں کو بیدار کریں جنکی لے میکدوں میں دفن ہو گئی، اب وقت ہے کہ ان خوابوں کی تعبیر لکھیں جو بادِ صبا میں کھو گئیں، اب وقت ہے کہ ان رشتوں کو بحال کریں جو نفرت کی آگ میں جھلس گئے، اب وقت ہے کہ وطن کی مٹی پاک کریں جو دلدل میں سمٹ گئی، اب وقت ہے ان سجدوں کا جو امن و امان کا پیام دیں، اب وقت ہے ان عبادتوں کا جو سلامتی کو عام کریں، اب وقت ہے ان دعاؤں کا جو دشمن کو مات کرے۔

تقلید کی روش سے بہتر ہے خودکشی

روز اول سے جس مذہب کی بنیادی طاقت اباء واجداد کی قدامت پرستی کو ختم کر دین الہی کو قائم ودائم کرنے میں صرف کی گئی تھی عصر حاضر میں وہی روش دوبارہ اپنا تنہ مضبوط کر رہی ہے فرق محض اتنا ہے کہ وہ نکیر ابدی تھی اور جحد وعناد ظاہر تھا اور اب مذہب کے زیر سایہ ہے، پہلے مذہب کو نشانہ بنایا جاتا تھا اور اب مذہب کے نام پر نشانہ آرائی ہوتی ہے، یہی وہ قدامت پرستی تھی جس نے قریش کو اس قدر جحد وکفر میں مبتلا کیا کہ انکا ماننا تھا ماوجدنا علیہ آباؤنا اسی پر اندھا ایمان تھا جس کے مفہوم سے نہ تو خود وہ واقف تھے اور نہ ہی دوسروں کو تسلی وتشفی واطمینان دلا سکتے تھے، قرآن کریم جو کہ کتاب ہدایت ہے اور جسکی ترجمانی وتفسیر احادیث نبویہ کرتی ہیں اسکے علاوہ تمام دقیانوسیانہ وفلسفانہ اصطلاحات وتعلیمات کو مذہب خداوندی نے جدا کر دیا، اور زمانہ کی گردشوں کے ساتھ سعدی ورومی وغزالی جیسے عظیم مفکرین وفلاسفہ نے اسکا مقابلہ کیا اور دین ابدی کو الحاد کے بہتے ہوئے سیلاب سے بچایا، الحاد کی آندھی کے ساتھ اندھی تقلید کے اثر نے ذرہء سم کا کام کیا اور قلندرانہ اداؤں کو ملیا میٹ کر ذہنی تعصبیت تنگ نظری واتباع حقیری وفقیری کو جنم دیا اصاغرین کو کبر کا درجہ دیکر اکابرین میں شمار کرنے لگی اور لامحالہ کبراء کو اکبر کے درجہ سے نوازنے لگی اور تقلید کی حدود کو پار کر مفاد اور شہرت کی اتاہ کو حدود انتہاء سمجھنے لگی، ماقبل قریش مکہ کی تقلید اور موجودہ اندھی تقلید میں محض یقین کا فرق ہے ورنہ انداز اور تیور وہی ہیں، علمی ادراک بحث وتحقیق سے ماوراء محض کلامی نصائح وبیانات کے سیلاب میں یہ امت تیرتی نظر آرہی ہے جسے اس کی خوفناک اور خطرناک لہروں کا اندازہ نہیں کہ وہ مستقبل میں لے ڈوبینگی، مورخ قلم کی نوک سے سیاہ لفظوں میں لکھے گا کہ امت پر وہ دور بھی آیا جب وہ قرآن وحدیث کو کنارہ کر تقلید کا قلادہ گلے میں ڈال کر دین کو بدنام کر رہی تھی اور الحاد اور استشراق کے علمبردار انکی ناقصی اور کم علمی وپیری بے فقیری کا فائدہ اٹھا کر اپنی سرگرمیوں سے نونہالان امت کو گمراہ کر رہے تھے۔

بھلادی ہم نے وہ میراث جو اسلاف سے پائی تھی

بھلا دی ہم نے وہ میراث جو اسلاف سے پائی تھی

ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

کہتے ہیں کہ کسی بھی قوم کی پہچان اور شناخت اسکی تاریخ اور تہذیب میں پوشیدہ ہوتی ہے، تاریخ میں اسکے آباؤ اجداد کے کارنامے اور ماضی کے عروج وزوال کی داستان ہوتی ہے اور تہذیب میں زبان اور ماضی کی شناخت ہوتی ہے، اور اگر کوئی بھی قوم اپنی تہذیب کو یا تاریخ کو فراموش کرتی ہے اس کا زوال شروع ہوجاتا ہے موجودہ دور میں عین یہی صورتحال ملت اسلامیہ کو درپیش ہے۔ اسلام کی مختصر مگر عظیم چودہ سوسالہ تاریخ نے وہ سنہرے نقش چھوڑے ہیں جو شاید انسانیت میں کسی قوم نے چھوڑے ہوں اور شائد یہ حقیقت ہے کہ انسانیت کی بنیاد ہی اسلام کی دنیا جہاں پر عکاسی ہے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ متمدن دنیا یا ترقی یافتہ زمانہ کی بنیاد مسلمانوں نے ڈالی، لیکن تاریخ گواہ ہے کہ زمانہ کی گردشوں کے بدلتے اہل اسلام کے اصولی اور قانونی طور طریقے نہیں بدلے۔ ان کے علم وعمل میں انکی دین فہمی وخدا شناسی ایک لمبے عرصے تک تبدیلی نہیں ہوئی، چاہے وہ متمدن ہوتے رہے اور تہذیب وثقافت کے اعلی معیار تک پہنچ گئے لیکن انہوں نے اپنے مقاصد اور اپنی دینی روش سے اور اپنی تاریخ سے کبھی منہ نہیں موڑا۔ وہ متمدن ہوئے تو علم فلسفہ اور منطق کو یونانیوں سے بڑھ کر پہچانا لیکن ظاہر میں وہ سادہ لوح انسان اور سچے مسلمان رہے، وہ متمدن ہوئے تو علم وفن کو یکجا جمع کر کے دنیا کو چکا چوند کیا لیکن عزم واستقامت کے شعار کو سینے سے لگائے رکھا۔ وہ متمدن ہوئے تو طب ریاضی کے اصول وقواعد متعین کر ایک علمی جامہ پہنایا لیکن اسلامی لبادہ زیب تن رکھا۔ دنیا کی مختلف تہذیبوں اور قوموں کو اپنے رنگ میں رنگا اور دنیا کو اپنی سلطنت خواہ ظاہری ہو یا تدبیری اپنے آگے زیر کیا اور قوموں کو مجبور کیا کہ وہ تمام مسائل اور تمام اصول وطور طریقوں میں اسلام کی راہ اپنائیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور راہ نہیں، لیکن صد افسوس کہ خلافت کا دائرہ

سمٹنا شروع ہوا اور یکا یک ختم ہوا اور امت کو صحیح رہنمائی ملنا ختم ہوگئی تو وہی قوم رفتہ رفتہ تنزلی کا شکار ہونے لگی اور وہ تمام سنہرے اصول جن سے کبھی مسلمان شہنشاہی کیا کرتے تھے وہ تاریخ کے ورقوں میں سمٹ کر رہ گئے اور شہنشاہی سے غلامی کے جانب یہ امت گامزن ہوگئی۔ دور حاضر کی چمک نے مسلمانوں کو نہ صرف ظاہری بلکہ ذہنی طور پر بھی غلام بنادیا ہے کہ ان میں سوچنے سمجھنے اور غور تدبر کرنے والی صلاحیتیں نہ رہیں اور ذہنی طور پر وہ ہراس شئے کے قائل اور طالب ہو گئے جو شائد انکو نیست و نابود کرنے کا بڑا ذریعہ ہے۔ کیسی عمدہ قوم تھی کیا ہی زندہ قوم تھی آخر اس کو کیا ہوگیا کیوں غلام ہوگئی۔ دین اسلام نے ہمیشہ سے مسلمانوں کو بلند تر رہنے اور حکمرانی کرنے کے گر سکھائے ہیں اس نے دنیا پر ایک مالک اور خالق کی عبادت اور اسکے ماننے والوں کی حکمرانی طئے کر دی تھی کہ وہی قوم انسانیت کے زمرے میں آتی ہے جو ایک خدا کو مانے اور جو نہ مانے اسکا شمار انسانیت سے خارج کر حیوانیت بلکہ اس سے بھی بدترین مقام پر ہے تو حکمرانی تو بہت دور کی بات ہے صحیح معنی میں غیر اللہ کو ماننے والا انسان بھی نہیں۔ جب تک مسلمان اس گر کو سمجھتا رہا اور اس حکم کی اتباع کرتا رہا تو وہ بدستور حکمرانی کرتا رہا وہ دنیا پر اپنا اثر قائم کرتا رہا اور گدا گری کے بھیس میں شہنشاہی کرتا رہا لیکن جس دن سے مسلمان نے اپنا ضمیر نیلام کیا اور دنیا کی فریبی رنگینیوں میں بدمست ہوا اسی روز سے زوال کی داستاں شروع ہوگئی خواہ وہ ظاہر میں کتنا ہی متمدن اور ترقی یافتہ ہو رہا ہو درحقیقت وہ ایک بے روح جسم اور زندہ لاش کے مانند بنتا رہا اور دل سے اسکے احساس زیاں جاتا رہا یہاں تک کہ وہ ظاہری و باطنی و فکری و عملی طور پر مکمل غلام بن گیا جو اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کرے اور اس کے حکموں کو بجالائے اور جانوروں سے بدتر حالت میں وہ نفس انسانی بن کہ رہ جائے۔

آہ کہ کھو گیا تجھ سے فقیری کا راز

ورنہ ہے مال فقیر سلطنت روم و شام

موجودہ مسلم معاشرہ کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ اپنے دین اپنی تاریخ اور اپنی زبان سے نا آشنا ہے اور جب یہ تمام چیزیں مفقود ہیں تو قوم محض نام کی ہے اور زندہ لاش ہے جس میں روح نہیں اور احساس نہیں ضمیر نہیں کیوں کہ تاریخ اور تہذیب سے واقفیت ہی نہیں، لہذا ہر چمکتے ستارے کی گردش نہیں ابدی کامیابی دکھنے لگی اور حقیقی اور غیر حقیقی کا فرق ختم ہونے لگا اور کفر کے طاغوتیت کے وقتی رنگ و آسائش و آلائش انہیں ایک امید کی کرن معلوم ہونے لگے اور جہاں آفاق کو ان میں گم ہونا تھا وہیں اب یہ بھی آفاق میں گم ہونے لگے اور وہ دو دن کی اس دنیا کو رہبر و منبر تسلیم کر کے شیطانی اور طاغوتی روش کے

معبود ہونے لگے، جہاں بلندی افلاک سے بالاتر تھی وہاں اب مسلم دنیا مغرب کو بلند تر سمجھ کر اسکو قبلہ ماننے لگی اور اسکی اتباع میں اپنی کامیابی تسلیم کرنے لگی موجودہ دور میں مسلم قوم جس قدر انحطاط کا بتدریج ظلم اور زیادتی کا شکار ہے اس کے اسباب میں سے ایک اہم سبب یہ بھی ہے کے وہ خود ان حالات کی ذمہ دار ہے جن سے وہ آج دوچار ہے۔شاید اپنی شناخت کھو کر آج تک کوئی کامیابی نہ پاسکا اور جب تاریخ اور تہذیب دونوں کا فقدان ہو تو بدرجہ اولی یہ بات آتی ہے کہ دوسری قومیں مسلط ہو کر حکمرانی کریںگی اور اس قوم کو غلام بنائینگی جو اپنا مذہب اور اپنی تاریخ و تہذیب کو فراموش کر اسے بھلا بیٹھی ہو اور دوسروں کی اتباع میں فخر محسوس کرتی ہو اور اپنے مذہب اور تہذیب کو اپنانے میں عار سمجھتی ہو۔

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

دور حاضر میں اسلاموفوبیا کا پروپیگنڈا پھیلایا جارہا ہے اور اسلام مخالف سرگرمیوں کو انسانی ہمدردی میں گردانا جارہا ہے۔مسلمانوں کو نیشنلزم اور سیکولرزم کا نعرہ دے کر اسلام سے بیزار کیا جارہا ہے اور انہیں تمدن اور کلچر کے نام پر گمراہ کیا جارہا ہے،انہیں ترقی اور کامیابی کے نام پر الحاد اور ارتداد کا شکار بنایا جارہا ہے لیکن تاریخ اور تہذیب سے ناواقف مسلمان ان ایجنڈوں کو سمجھنے سے قاصر ہے۔وہ ناآشنا ہے کہ جس راہ پر وہ گامزن ہونے جارہا ہے یہ ترقی اور کامیابی کی نہیں بلکہ تنزلی اور ناکامی و نامرادی کی راہ ہے جس میں وہ نہ صرف اپنے مذہب اور تہذیب کو کھو بیٹھے گا بلکہ اپنی شناخت سے بھی دستبردار ہوجائیگا اور یہ اثر اسے صدیوں تک سزا دیگا کہ اسکی نسل بھی گمراہ ہوگی جس کا ذمہ دار وہ ہوگا کیوں کہ تہذیب کی فراموشی میں حق کی فراموشی ہے اور اس سے انسانیت کو بھی عظیم خطرہ لاحق ہے۔

لہذا اہل اسلام پر بالعموم اور قائدین ملت پر بالخصوص یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی شناخت کو پہچانیں اور اپنی حقیقت کو تسلیم کریں کہ زمانہ ان سے ہے وہ زمانے سے نہیں اور ملت اسلامیہ کے نونہالوں اور نئی نسل کو اسلاف کے کارناموں سے متعارف کرائیں انہیں اسلامی تہذیب سے روشناس کرائیں اور قوم اور مذہب کی اہمیت ان کے دلوں میں اجاگر کرائیں اور انکو سنہرے ماضی کے روشن لمحات سے باور کرائیں کہ حقیقت انسانی کی ایک جھلک مستقبل کے ستاروں میں نظر آئے اور اسلامی عقیدت کی ایک کرن نئے سورج میں چمکے۔

تجزیات

ڈاکٹر ادبی اور فقہی تناظر میں

موجودہ طبی علوم اور اور ڈاکٹریٹ کے تکنیک مغرب کی یورش ہے اور اسی روش پر مسلم ڈاکٹر بھی گامزن ہیں اور ان پر یورپین تمدن کی یلغار ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ تمام ذرائع و وسائل تو انہیں کے تواسط سے استعمال میں لائے جارہے ہیں خواہ وہ خیر اور بھلائی کے پہلو سے ہوں جیسے باریک بینی کے ساتھ تجربات اور مشاہدات یا پھر شر اور برائی کے پہلو سے ہوں جیسے اخلاقی و تہذیبی انحطاط وغیرہ، ایسے میں اسلامی رنگ میں رنگنا اور اسلامی طور طریقہ کو اختیار کرنا ڈاکٹروں کے لئے خاصا مشکل کام ہے. لہذا ہم انہیں چند اہم پہلوؤں پر غور و تدبر کرتے ہیں جو موجودہ علم طب سے وابستہ اداروں میں ڈاکٹروں کے سلوک کی عکاسی کر رہے ہیں۔

جسم اور نفس کے درمیان فرق: جس ڈاکٹر نے مغربی طب سے استفادہ کیا ہو وہ اپنے مریض کا علاج بالعموم ایک مکمل پتلہ سمجھ کر نہیں کرتا بلکہ جسم اور روح یا نفس کے درمیان فرق پیدا کر دیتا ہے اور طبی دستاویز میں یہ بات صاف ہوگئی ہے کہ 80 فیصد بیمار افراد جو عام ڈاکٹروں کے پاس جاتے ہیں انہیں نفسیاتی خلش کا Direct یا Indirect سامنا کرنا پڑتا ہے اور شاذ و نادہی ڈاکٹرس اس کا علاج کر پاتے ہیں کیونکہ یا تو وہ جانتے ہی نہیں یا انکے پاس اتنا وقت یا اہتمام درکار نہیں ہوتا۔

علاج اور پرہیز کے درمیان فرق: ڈاکٹر اپنے مریض کا علاج ہر بری غذاء سے اور دواء اور پریشر سے کرتا ہے پھر بھی اسکے دیکھ ریکھ پرہیز گاری کے صحیح مفہوم پر کھرا نہیں اترتی اور اسکے ذہن میں یہ سوال گردش نہیں کرتا کہ مریض شروع میں میرے پاس کیوں آیا تھا؟ اور کیا میرے بس میں تھا کہ میں اسے بیماری کے اسباب سے نجات دلا سکتا تھا؟ اور اس جیسے دیگر سوالات بھی اسکے دائرہ تفکیر میں نہیں آتے کیونکہ اس نے کبھی پرہیز اور علاج کو یکجا کرنے کا سوچا ہی نہیں۔

تخصص Specialism میں حد درجہ مبالغت: تخصص اور پھر مزید اس میں مبالغت جیسے ڈاکٹر ابتداء میں عمومی ہوتا ہے پھر وہ اندرونی امراض کا ڈاکٹر بنتا ہے اور پھر وہ ہضمیات Digest پر توجہ مرکوز کرتا ہے پھر وہ ان میں بھی محدود مرض اختیار کرتا ہے اور اسی کو سمجھنے سدھارنے کی تگ و دو میں رہتا ہے اور اسمیں خوبی کی بات ہے کہ اندرونی گہرائی تک اسکی رسائی ہوجاتی ہے مگر نقصان دہ بات یہ ہے کہ وہ اپنے مریض کو بھول کر اسکے مرض کے ایک ہی حصہ کو اپنا Target مرکز بناپاتا ہے۔

worshiping of New Technic: ایک موقع ایسا بھی آیا کہ مجھے Glands میں (Hyper-Parathyrodism) نامی بیماری کا سامنا کرنا پڑا اور ڈاکٹر نے آپریشن کو کہا، ایک ہفتہ بعد آپریشن تھیٹر میں بغیر مجھے یا زخم کو دیکھے آپریشن ہونا تھا اور اس طرح نئ ٹیکنیک کے ذریعہ چیر پھاڑ عمل در آمد ہونے والی تھی اور رگوں اور Arteries سے مشین کو بائی پاس ہونا تھا اس طرح Glands کا ازالہ ممکن تھا، لہذا مریض اور اسکے احساسات سے ڈاکٹر کو کوئی سروکار نہیں ہوتا اور نہ ہی ان سوالوں کا ڈاکٹر کے پاس جواب ہوتا ہے جو مریض کے دل و دماغ میں گردش کر رہے ہوتے ہیں، اسی راہ پر گامزن جدید طبی تکنیک بہت سے معاشرتی اور انسانی مسائل کو نظرانداز کر دیتی ہے کیونکہ کبھی تو وہ Genes reproduction کے ساتھ کھلواڑ کرتی ہے اور کبھی Semen کے ساتھ اور کبھی نئے جسمانی اعضاء کو وجود بخشتی ہے اور مصنوعی آلہء تنفس کے ذریعہ سانسوں کی مدت دراز کرتی ہے اور یہ سب انکی کامیابیاں اور کامرانیاں شمار کی جاتی ہیں لیکن ستم یہ ہے کہ انکے ذریعہ انفرادی و اجتماعی طور پر انسانی زندگی کو بے شمار نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور ترقی یافتہ ممالک میں میڈیکل کالجوں میں Priorities کو طبی تعلیم کے لئے Point تسلیم کیا جاتا ہے اور انکے لئے Limitid Sources متعین ہوتے ہیں نیز Advanced Technology کو مقدم و فائق مانا جاتا ہے جبکہ مناسب اور Appropriate Technology کو نظرانداز کیا جاتا ہے۔

Helth Care کے درجات میں تفاوت: ایک امت اور ایک ہی علاقہ کے لوگوں کے درمیان طبی کیئر کے تعلق سے Lavels میں حد درجہ تفاوت پایا جاتا ہے اور یہ ایسی پریشانی ہے کہ جدید میڈیکل سائنس بھی اسکا توڑ اور اسکا حل نہیں تلاش کر پا رہی ہے جیسا کہ ایسے ممالک کے بارے میں بھی معلوم ہوتا ہے جو اپنے فرد واحد پر دو ڈالر سالانہ خرچ کرتے ہیں اسکے برعکس کتنے ملک ایسے بھی ہیں جو سالانہ 2000 ڈالر بھی خرچ کر دیتے ہیں یہ وہ فرق اور تفاوت ہے جنکو بالعموم ہم سیاسی یا اجتماعی ترازو میں

جزوی طور سے تو لیتے ہیں مگر میڈ کل Field سے وابستہ Workers کی طب سے وابستہ ذمہ داری میں ہم رعایت نہیں برتتے ہیں، بہت سے غریب ممالک میں ایسے متعینہ مٲخذ و مصادر Soureces نہیں ہیں جو انہیں صحیح رہنمائی کریں اور انکے لئے چراغ راہ ثابت ہوں، ہم نے کتنے سستے اور مناسب حفاظتی آستانے Preventive Prjects دھوپ میں خاکستر ہوتے دیکھے ہیں مگر میڈیکل کی اعلی سہولیات سے بڑے اور عظیم الشان اسپتال ہی مستفید ہوتے ہیں یہ سب بغیر رہنمائی اور Rudder کے حاصل شدہ تعلیم کا نتیجہ اور خمیازہ ہے، اسکی ادنی مثال یہ ہے کہ جتنی خطیر رقم بڑے ہاسپٹلس میں صرف چند لوگوں کے خاطر نئے اور مصنوعی جسمانی اعضاء کو ایجاد کرنے میں صرف کی جاتی ہے اگر وہی رقم ہزاروں افراد کی جسمانی افزائش کی حفاظت کے لئے صرف کی جائے اور بروقت علاج اور ڈرو پس اور پولیو اور فیلٹر اور صاف پانی اور environment کی بہتری کے لئے کی جائے تو کتنے وسیع پیمانہ پر جدید طب معاشرہ کے لئے بہتر اور اثر انداز ثابت ہو، اور اس روش کا سب سے اہم سبب وہ ڈاکٹرس کی وہ پریکٹس اور تدریب ہے جو وہ میڈیکل کالجوں میں حاصل کرتے ہیں اور یہ وہ روش ہے جس میں ہر بات اور ہر نظر یہ انکو دوسرے پر فوقیت دلانے کی کوشش کرتا ہے اور مقدم ثابت کراتا ہے اور اعلی Degrees اور عمیق و دقیق بحث اور ریسرچ کو پیش کرنا نیز شہرت اور بلندی کے افتادہ کو چھونا ہی انکا مقصد اور انکا سیکول ہے اور بالعموم انکی کامیابی کا مدار انہیں چیزوں کے ارد گرد گردش کرتا ہے اور انکا قلیل حصہ ہی وہ خدمت خلق میں صرف کر پاتا ہے اور یہ ذہنیت اتنی عام ہو چکی ہے کہ اگر کسی ناکس و غریب علاقہ میں ڈاکٹر کم داموں میں اپنے میڈیکل سے عوام کو فائدہ پہنچا رہا ہو اور اسکے برعکس ایک بڑے شہر کا مشہور ڈاکٹر مہنگے علاج کے ذریعہ اپنا بینک بیلنس بڑھا رہا ہو تو دوسرا اولاہی میڈیکل کے طالبعلم Student کا Ideal اور رہنما ہو گا، زندگی کے تمام مرحلوں میں خواہ وہ ابتدائی ہو یا درمیانی یا اسکے تکمیل علم کا مرحلہ ہو ڈاکٹر کے اخلاق اور اسکا سلوک ہی اسکی حیثیت Value کا اندازہ کراتے ہیں لہذا ڈاکٹر کو چاہئے کہ وہ روز اول سے ہی اس بات کی کوشش میں رہے کہ وہ زندگی میں دوسروں کی خدمت کر کے کامیابی پائے اور دوسروں کو اپنی ذات اور مفاد پر فوقیت دینا ہی اسکا منشا ہو اور اسکی روش معتدل اور Balanced ہو، ارشاد باری ہے: وابتغ فیماء اتاک اللہ الدار الاخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا، اور ہم دیگر راہ روش سے ڈاکٹر اور طبیب کے اخلاق و کردار کو سدھارنے اور سنوارنے کی لاکھ کوشش کریں ہم بغیر قرآن و سنت کے کامرانی نہیں حاصل کر سکتے چونکہ دستور زندگانی کا مکمل حسین و شاہکار نمونہ انکے ذریعہ خدا عزو جل نے ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔

آن لائن تعلیم، خصوصیات اور رجحانات: ایک تجزیہ

۲۰۲۰ کا یہ سال گزشتہ سالوں سے بہت مختلف ہے، بہت کچھ بدل چکا ہے، یہ تبدیلی ہر اعتبار سے ہے، انسانی افکار پر اس کا گہرا اثر پڑا ہے، تعلیم کے میدان میں بھی بہت سی تبدیلیاں آئی ہیں اور استاد شاگرد کا جو تعلق بالمشافہہ تھا وہ اب اون لائن ہو گیا ہے، ندوۃ العلماء سمیت کئی اداروں نے بھی اب مرئی تعلیم کی اہمیت جانتے ہوئے اپنے طلباء کو اون لائن پڑھانے کا فیصلہ کیا ہے جس کا ہم خیر مقدم کرتے ہیں، طلبائے عزیز کے لئے یہ ایک انوکھی اور نئی چیز ضرور ہے مگر اس کے فوائد بھی ہیں، گزشتہ کئی عرصے سے دنیا بھر میں اس طرح تعلیم ہوتی رہی مگر اب کے حالات میں اس طرف تیزی کے ساتھ رجحانات بڑھے ہیں، ایک سروے کے مطابق ٪۹۴ فیصد تعلیم اون لائن ہی ہو رہی ہے، آنے والے وقت میں باضابطہ اسی کو تعلیم کا ذریعہ بنانے کے بہت سے امکانات ہیں، الغرض یہ کہ طلباء کو اس سے ہم آہنگ ہونے کی ضرورت ہے اور اس بارے میں دلچسپی بھی لینی چاہئے، وہیں بہت سے ادارے ہیں اور جامعات ہیں جو اون لائن کورسز کراتے ہیں کچھ فری بھی ہوتے ہیں اور کچھ فیس کے ساتھ ہوتے ہیں، آپ ان سے بھی استفادہ کر سکتے ہیں، کیونکہ یہ آپ کے علمی اور عملی کیریئر میں کام آجاتے ہیں، اور جہاں تک ان کی معنویت اور قبولیت کی بات ہے، وہ تو مدارس کے شہادوں سے کہیں زیادہ ہے۔ جب آپ آن لائن کورس کرنے کا سوچتے ہیں تو بہت سارے ادارے اور اکادمیات آپ کے سامنے آتے ہیں، لیکن آپ کو پہلے اس ادارے اور کورس کے بارے میں مکمل تحقیق کرنی ہوگی کہ آیا وہ کامیاب ہیں بھی یا نہیں، گوگل سے لیکر ہارورڈ یونیورسٹی تک بہت سے موقر ادارے بھی موجود ہیں جو اون لائن کورسز فراہم کرتے ہیں، وہیں دیگر کئی ایسے ادارے بھی ہیں جن کی خاص معنویت نہیں اور جن کے بارے میں کوئی نہیں جانتا، لہذا اس نقطہء نظر پر ضرور دھیان دیں، دوسری اہم بات یہ ہے کہ کورس کے انتخاب میں غور و فکر سے کام لیں، وہی کورس منتخب کریں جو آپ کے لئے آسان ہو یا جسے آپ سیکھنے کے خواہش مند ہوں، تعلیم کا میدان تو بہت وسیع ہے مگر آپ کا تخصص کسی ایک شعبے میں ہونا چاہئے، جیسے مارکیٹنگ فیلڈ میں جانا ہے یا کاروبار کرنا

ہے تو مارکیٹنگ کے کئی مختصر اور طویل کورسز موجود ہیں جس میں بیشتر کے ساتھ سیر ٹیفیکیٹ بھی ملتا ہے، اور اسی طرح ڈیجیٹل کورسز ہیں جو جاوا سے لیکر سوفٹ ویئر اور ہارڈ ویئر کی جانکاری دیتے ہیں، اور کافی مفید بھی ہوتے ہیں، چند علمی کورسز بھی ہیں جو آپ کو زبان اور مذہب و کلچر کے بارے میں بتاتے ہیں اور یہ کافی کامیاب کورسز ہیں، اور اون لائین تعلیم کے بہت سے فائدے جہاں ہیں وہاں اس کے چند نقصانات بھی ہیں، کہ آپ جس طرح اون لائن ہوتے ہیں اسی طرح یہ کورسز بھی اون لائن ہوتے ہیں، اور زندگی صرف اون لائن کا نام نہیں بلکہ اس سے آگے بہت کچھ ہے، ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں، لہذا اقدر استطاعت جس سے جتنا ممکن ہو سکے آپ استفادہ کریں اور دوسروں کے لئے بھی مواقع فراہم کریں۔

حالات حاضرہ میں سازشی نظریہ کی حقیقت! ایک تجزیہ

غالباً آپ نے Conspiracy Theory کے بارے میں سنا ہو گا، عربی میں اسے نظریۃ المؤامرہ بھی کہا جاتا ہے، اس بارے میں ہولی ووڈ کی ایک فیلم بھی سینمائی گئی تھی، جس میں ایک امریکی ٹیکسی ڈرائیور کی یہ سوچ ہو جاتی ہے کہ حالات اور اردگرد جو بھی ہو رہا ہے وہ خفیہ سازش کے تحت ہو رہا ہے، اور اس کو روکنا عام انسان کے بس کی بات نہیں، اسی طرح کہا جاتا ہے کہ ۹/۱۱ ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر خود امریکی خفیہ ایجنسی CIA نے حملہ کا منصوبہ بنایا تھا، مصر کے اہرامات کی تعمیر سینکڑوں سال پہلے موجود ڈیناصور کے ذریعہ ہوئی تھی، ماسونی طاقتوں کی اس دنیا پر حکمرانی ہے، اور یہ وہم ہے کہ انسان نے چاند پر قدم رکھا ہے، ناسا نے دنیا سے جھوٹ بولا ہے، زمین گول نہیں بلکہ مسطح ہے، ترکی میں اردغان کے خلاف عسکری انقلاب خود اسی کی سازش تھی، کچھ اس طرح سے ہیں سازشی نظریہ کی وہ مثالیں جو کمالیات جنوں کے اعلی درجہ پر فائز ہیں، سازشی نظریہ کی تعریف یہ ہے کہ انسان کو اپنے اردگرد حالات کے بارے میں یہ احساس ہونے لگے کہ یہ سب اس کو نقصان پہچانے کے لئے خفیہ وشیطانی سازشوں کا نتیجہ ہے، جس میں ان طاقتوں کا فائدہ ہے، یہ احساس پیش آنے والے بڑے اور اہم واقعات کے واقعی اسباب اور حقیقت کے انکار کا باعث بن جاتا ہے، نتیجتاً افراد اور تنظیمات پر الزام تراشی کی جاتی ہے، جو خفیہ طور پر جہنمی سازشوں کی عملی صورتحال کا جائزہ لے رہے ہوتے ہیں، اس کی ابتدا کچھ اس طرح سے ہوتی ہے کہ مورد جرم یا سازش کرنے والا خود کو یا متعلقہ اشیاء کو نقصان پہنچا کر سننے والے کی نظروں میں پردہ ڈال دیتا ہے، انیسوی ۱۹ صدی کے آخر میں دنیا نے اس اصطلاح کو جانا ہے جب کہ ۱۹۱۹ء میں امریکی مصنف این جونسون نے اس کا استعمال کیا تھا مگر دنیا نے سابق امریکی صدر جون کینیڈی کے روپوش ہونے کے بعد اسے جانا ہے، بہت سے لوگوں نے یہ مانا کہ ان کے قتل کی سازش بھی امریکی خفیہ ایجنسی کے ذریعہ کی گئی تھی۔

سازشی افکار:

تین ایسے نکات ہیں جو انسانی دماغ میں اس طرح کے افکار کو پروان چڑھانے میں مددگار ہوتے ہیں:

(۳) کوئی بھی چیز اچانک نہیں ہوتی۔
(۴) جو دکھتا ہے وہ دراصل ویسا ہوتا نہیں جیسا دکھتا ہے۔
(۵) ہر شئے ایک دوسرے سے جڑی ہوتی ہے۔

کیونکہ بالآخر یہ سب دنیا میں فساد برپا کرنے کی ایک بنیادی منصوبہ ہوتا ہے، یا ایک ایسا منصوبہ جو ذاتی طور پر کسی انسان کا شکار کرتا ہے۔

کیا اس نظریہ سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے؟

جی بالکل، کیونکہ حکمرانی پر تسلط برقرار رکھنے میں اس کا اہم کردار ہوتا ہے، اور جیسا کہ نص قرآنی میں خداوند قدوس نے فرعون مصر کے بابت جب اس کے جادوگر عصائے موسی کے سامنے زیر ہوگئے اور حضرت موسی علیہ السلام پر ایمان لے آئے، ارشاد باری تعالی ہے: آمنتم به قبل ان آذن لكم، ان هذا لمكر مكرتموه فى المدينة لتخرجوا منها اهلها فسوف تعلمون۔

موجودہ دور میں اس کی ایک مثال مصر کے السیسی ہیں، جو مصر کے شر پسند عناصر جو وہاں تباہی لانے کا ارادہ رکھتے ہیں ان کے بارے میں اپنی قوم سے مخاطب ہوتے ہیں کہ آپ شر پسندوں کے سامنے دوبارہ میدان میں اتریں، اسی طرح امریکی صدر ٹرمپ کی سیاسی زندگی کی اصل بنیاد یہی نظریہ ہے، امریکی اخبار ٹائمس کے مطابق یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ سابق امریکی صدر اوباما کی پیدائش امریکہ میں نہیں ہوئی، مجبوراً ان کو دستاویز دکھانے پڑے، اسی طرح یہ کہا گیا کہ فضائی آلودگی محض ایک دھوکہ ہے، اور یہ کہ نیو جرسی کے مسلمانوں نے ۹/۱۱ حملوں پر مسرت کا اظہار کیا تھا، ٹرمپ نے اس بات کو یقینی طور پر تسلیم کیا کہ آدھے سے زیادہ امریکی باشندے چونکہ اس نظریہ کو مانتے ہیں اس لئے انتخابات میں ان کی جیت ہوگی۔

عوام الناس میں سازشی نظریہ کے بڑھتے رجحانات:

کسی بھی قسم کے بڑے حادثات جن کے بارے میں تفصیلی معلومات ملنا ذرا مشکل ہوتا ہے، جیسے دہشت گردانہ کارروائیاں، یا قدرتی آفات، یا سیاسی گرفتاریاں، تو اکثر انسانی دماغ اس چیز کو اسی کی مطابق بڑی وجوہات سے جوڑتا ہے، اور مطابقت کرتا ہے، یا اس طرح سے کہہ سکتے ہیں کہ انسان بالعموم ان باتوں پر یقین کرتا ہے جو اچانک پیش آتی ہیں اور غیر مانوس ہوتی ہیں، کیونکہ شاید یہ وجہ اس کو دوسروں سے الگ ہونے کا احساس دلاتی ہیں، مصر میں ایسے ہی کچھ سوالات لوگوں سے کئے گئے کہ کیا اس دنیا میں انسانی مخلوق کے علاوہ آسمانی مخلوق بھی ہے تو ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ ضرور امریکہ اور یورپ میں ایسی مخلوق پائی جاتی ہے مگر مصر میں ان کا داخلہ ممکن نہیں، شاید یہ بات مضحکہ خیز ہوگی مگر یہی حقیقت ہے کہ جب چیزیں پیچیدہ معلوم ہوتی ہیں تو ان کا ربط ان باتوں سے کیا جاتا ہے جن کا سر پیر نہیں ہوتا اور وہ باتیں گلے نہیں اترتی، بالکل ایسے ہی جیسے اہرام مصر انسانوں نے نہیں بلکہ دوسری مخلوق نے بنائے ہوں، اور علمی اعتبار سے اسکا کامیاب تجربہ بھی بارہاں کیا جاچکا ہے۔

فریٹز ہیڈر اور ماریان سیمیل کے تجربوں کے مطابق ہندسی اشکال کی ایک تصویر لوگوں کو دکھائی گئی، جس کا لوگوں نے مطلب اس انداز سے نکالا اور من گھڑت باتیں بنائیں کہ جس کا اس تصویر سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔

اجتماعی وبا بھی ایک سازش ہے:

جب اس قسم کی وبا یا بیماری پھیلتی ہے تو رکتی نہیں ہے، ماہرین اور اثر ورسوخ کے حامل افراد کا اس میں اہم کردار ہوتا ہے۔

اس نظریات کے شکار افراد کو محض ان کی رائے ہی معنی خیز معلوم ہوتی ہے دیگر سب باتیں جھوٹ لگتی ہیں!

اکثر روایات اس بات پر محتمل ہوتی ہیں کہ ان کی تاکید اور تائید کس حد تک کی جاتی ہے، انسانی فطرت عموماً وہ دلیلیں جمع کرنے کی عادی ہوتی ہے، جو ان کے خیالات و افکار سے مطابقت رکھیں، لہذا سازشی نظریہ کے تخلیق کار ان دلیلوں کو اسی رنگ میں رنگتے ہیں جیسا وہ چاہتے ہیں۔

اس کہانی کے کلیدی کردار کون ہوتے ہیں؟

وہ افراد یا تنظیمیں اس نظریہ کا کلیدی کردار نبھاتی ہیں جن کو وہ لوگ کہہ کر مخاطب کیا جاتا ہے، کبھی تو وہ جانی پہچانی صورت میں ہوتے ہیں جیسے ماسونی، اور کبھی ان کی کوئی پہچان نہیں ہوتی، اکثر انہیں زمانہ کے دشمن کے طور پر یاد کیا جاتا ہے، ان کی طاقت بے شمار ہوتی ہے، تیز دماغ کے حامل ہوتے ہیں، ان کی دولت کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا، اعلی ترین ٹیکنالوجی اور دیگر جدید ترین وسائل ان کے پاس ہوتے ہیں، اور وہ سب کچھ جانتے ہیں، یعنی کے سب کچھ!

مگر پھر ایک سوال آتا ہے کہ کیا ہمیں سازشی نظریہ کو خطرہ کے طور پر لینا چاہئے!

جی بالکل، کیونکہ انسانی خون کا ذمہ ایک حد تک اس نظریہ کی گردن پر لٹکتا ہے، ایک آسٹریلیائی تقریر کے مطابق ۲۰۱۶ میں ۲۳ افراد کی موت ایسے اسباب کی بنیاد پر ہوئی جن کا علاج ممکن تھا، صرف اگر وہ انجیکشن لگانے پر رضامند ہوتے، یقیناً آسٹریلیا جیسی متمدن جگہ پر بھی بہت سے ایسے لوگ ہیں جو یہ مانتے ہیں کہ انجیکشن طبی کمپنیوں کا ایک دھوکہ ہے۔

سازشی فکر انسان کو ایک کمزور اور مجبور انسان میں تبدیل کرتی ہے، جب انسان دنیا میں ہونے والی ہر شئے کو کسی خفیہ طاقت کے بھروسے ماننے لگتا ہے کہ جس پر قابو نہیں پایا جا سکتا تو خود سے سوال کرتا ہے کہ کیونکر مقابلہ ہو! بلاشبہ یقینی طور پر وہ ہار مان لیتا ہے، اور انتظار کرتا ہے کہ شاید کوئی دوسری طاقت ظاہر ہوگی جو اس شئے سے مقابلہ کریگی، یہ سوچ انسان کو ناکارہ کر دیتی ہے، ریسرچ کی مانیں تو انسان جتنا زیادہ تعلیم یافتہ ہوتا ہے اتنا ہی کم اس نظریہ کا شکار ہو پاتا ہے، جوزیف یونسکی کے مطابق ۴۲٪ میٹرک کے طلباء اس نظریہ پر ایمان رکھتے ہیں جب کہ ان کے مقابل صرف ۲۳٪ فیصد یا اس سے بھی کم اعلی تعلیم یافتہ افراد ہوتے ہیں۔

کیسے معلوم ہوگا کہ آپ اس نظریہ کا شکار ہیں؟

اگر آپ اس طرح کے نظریات میں سے کچھ کو حقیقت مانتے ہیں تو گھبرانے کی بات نہیں ہے، کیونکہ اس نظریہ کو لیکر تین طرح لوگ پائے جاتے ہیں:

(ا) جو یہ مانتے ہیں کہ سب کچھ پہلے سے طئے شدہ ہے۔

(۲) جو اس نظریہ کا مکمل طور سے انکار کرتے ہیں، اور اس کو صرف ایک چال سمجھتے ہیں۔
(۳) جو مانتے ہیں کہ منصوبہ بندی ہوتی ضرور ہے مگر اس کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

اگر آپ کا بھی یہی ماننا ہے تو یہ فطرتاً صحیح ہے، یہ سچ ہے کہ سازشی نظریات پائے جاتے ہیں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ان نظریات میں سب سے بڑا نظریہ یہی سازشی نظریہ ہے۔

عوامی خدمات اور نفسیاتی صفات

وہ صفات جو براہ راست ان اشخاص سے متعلق ہیں جو کسی بھی ذریعہ سے معاشرہ کو خدمات فراہم کرتا ہو، جن میں خاص طور سے بردباری اور صبر اور عدل اور سچائی اور احسان شامل ہے اور آخر میں انسانیت کیلئے مشعل راہ بننا بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔

مندرجہ ذیل ان صفات کے بارے میں بحث ہے جو ہراس فرد کیلئے لازمی ہے جو کسی بھی طرح کی عوامی خدمات سے وابستہ ہو اور قرآن وحدیث کی روشنی میں انکا کیا درجہ ہے کیا مقام ہے۔

ا۔ عدل

ایک غیر معمولی صفت جس کو اپنانا انتہائی لازمی ہے اور شاید اس پر عمل کرنا بھی سب سے زیادہ مشکل ہے، عدل وہ صفت ہے جو انسان کی خواہشوں پر بھاری پڑجاتا ہے اور اسکے کام پر اور اسکے ذاتی مفاد پر حاوی ہوجاتا ہے، یہ ایسی صفت ہے جو گھمنڈ مطلب پرستی اور مفاد پرستی کو ملیامیٹ کر دیتی ہے، یہ ایسی شئے ہے جو دشمن کو دوست پر فوقیت دیتی ہے اور قریب پر دور کو فوقیت دیتی ہے، قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں عدل قائم کرنے کا پر زور حکم ہے کیونکہ انسان کی زندگی میں عدل وانصاف انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

فرمان باری تعالی ہے: اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (المائدۃ:۸)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ (النساء:۱۳۵)۔

اور جب عدل وانصاف بنیادی طور پر قائم ہوگا تو لوگوں میں جو اونچ نیچ کا جھگڑا ختم ہوجائیگا۔

اسی طرح آنحضور ﷺ نے فرمایا: اے لوگوں تمہارا خدا ایک ہے، اور تمہارا باپ ایک ہے تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا تھے، تم میں اللہ کہ نزدیک مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ

پرہیز گار ومتقی ہوکسی عربی کو کسی عجمی پر افضلیت نہیں اور نہ ہی کسی عجمی کو کسی عربی پر افضلیت ہے نہ ہی لال کو گورے پر اور گورے کو لال پر افضلیت ہے مگر صرف تقوی اور پرہیز گار کو ہے۔

۲۔صبر

خدا سبحانہ وتعالی بہتر جانتے ہیں کہ کس کیلیئے کونسی آزمائش آنی ہے،اور کونسی مصیبت کا نہ جانے کب اسے سامنا کرنا ہے،افضل البشر سیدنا ونبینا محمد ﷺ پر بھی آزمائش آئیں لیکن آپ نے صبر کیا ،جیسا کہ کفار نے آپ کو کب اور کہاں نہیں اذیت پہنچائی آپکو پتھر مارے آپ پر مٹی پھینکی اور آپ سے جنگیں کی اگر آپ چاہتے تو دعا کر کے انکو نیست ونابود کرادیتے لیکن آپ نے صبر کیا اور خدا نے آپکو اسکا اجر بھی دیا۔قرآن کریم اور نصوص احادیث سے صبر کے تعلق سے بہت سی خصوصیات فائدے اور ثواب معلوم ہوتے ہیں۔

فرمان باری تعالی ہے:

وَالْعَصْرِ ﴿١﴾ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ﴿٢﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿٣﴾ (العصر)

وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ(النحل:۹۶)

وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ (النحل:۱۲۶)

وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (الانفال:۴۶)

إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ (الزمر:۱۰)

اسی طرح مومنین کو کہا گیا ہے کہ وہ صبر کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھیں،اور آنحضور ﷺ کاارشاد ہے جومعاف کرتا ہے خدا اسکی مغفرت فرماتا ہے اور جوصبر کرتا ہے اللہ اسے صبر پر جماتا ہے اور مستغنی ہوتا ہے اللہ اسے نوازتا ہے اور تمہیں صبر سے بڑی خیر اور بھلائی نہیں نوازی گئی۔

صبر نہ صرف مصیبتوں کے وقت کیا جاتا ہے بلکہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں جو رکاوٹیں

درپیش ہوتی ہیں ان سے مقابلہ کرنا بھی صبر ہے اور کسی کام کو نہ چاہتے ہوئے انجام دینا بھی صبر ہے۔

۳۔ بردباری

صبر کے بعد بردباری کا نمبر آتا ہے،اس صفت سے بھی انسانی زندگی کے بہت سے مسائل جڑے ہوئے ہیں اور اس کے ذریعہ انسان بہت سی مشکلوں سے اور مصیبتوں سے نجات پاتا ہے، کیونکہ جب انسان غصہ ہوتا ہے اور آپے سے باہر ہوجاتا ہے تو وہ اپنی ذہنی صلاحیتوں کو کھو دیتا ہے اور معاملہ کو ہاتھ سے نکال کر کسی غلط مصیبت کا شکار ہوجاتا ہے ایسے وقت میں ضروری ہے کہ وہ اپنے غصہ کو قابو کرے اور بردباری سے کام لے اور گردوپیش کا لحاظ کرے اور مصیبت کا حکمت عملی اور دانشوری کے ساتھ مقابلہ کرے،اور ایک قائدو مصلح کی حیثیت سے اس اہم صفت کو اپنانا انتہائی ضروری ہے۔

آنحضور ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: کہ بہادر وہ ہے جو غصہ میں اپنے آپ کو قابو کرے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اس اہم صفت کو ہم اپنائیں اور دوسروں کو بھی بتائیں کہ اس سے نہ جانے کتنی مصیبتوں سے چھٹکارا مل سکتا ہے اور وہ آفتیں جن کا ذریعہ خود آپ بنے ہیں اپنا آپا کھو کر تو بردباری اور درگزر سے آپ ان مصیبتوں سے بچ سکتے ہیں۔

۴۔ احسان

دیگر خصوصیات اور صفات کی طرح یہ بھی ایک بڑی صفت ہے جسے اللہ نوازتا ہے اسے عطا کرتا ہے لیکن انسان کو مسلمان ہونے کی حیثیت سے چاہئے کہ وہ احسان مند بنے نہ کہ احسان فراموش کیونکہ قرآن وحدیث میں اس تعلق سے بیشتر فضائل موجود ہیں۔

فرمان خداوندی ہے: وَأَحْسِنُوا ۛ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (البقرة:۱۹۵)

وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (الحج:۷۷)

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (الاعراف:۱۹۹)

ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ (فصلت:٩٦)

فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ (النجم:٣٢)

اسی طرح آنحضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: طعنہ دینے والا، لعنت بھیجنے والا، فحش اور گالی دینے والا مومن نہیں ہوسکتا (بخاری شریف)۔

نیز فرمایا: مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور قتل کرنا کفر ہے (بخاری شریف)۔

یہ چند باتیں تھیں جن کو پیش کرنا میرا دینی فریضہ تھا جو الحمد للہ اب پایہ تکمیل کو پہنچ گئی ہیں اور یہ فیض عام ہے اور اس کے ساتھ ہر مومن کیلئے ضروری ہے کہ وہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں غور و تدبر کرے سمجھے اور اس پر عمل کرے تاکہ دونوں جہاں میں کامرانی و کامیابی سے سرفراز ہو۔

اکیسویں صدی میں تعلیم اور مسلمان

"تعلیم سب سے طاقتور ہتھیار ہے جسے آپ دنیا کو تبدیل کرنے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔"

یہ افسانوی لائنیں مرحوم نیلسن منڈیلا نے کہی تھیں، جو اس زمین کے تاریک ترین براعظم میں پیدا ہوئے تھے، افریقہ اگرچہ اب بھی یہ جگہ دنیا کے تاریک پہلو کے نام سے جانا جاتا ہے، اور ممکنہ طور پر ناخواندگی اور بدتر تہذیب اور رنگ کے لیے جانا جاتا ہے، نسل پرستی کی تعریف سے بالاتر، اس طریقے کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ کس طرح عظیم افریقیوں نے اپنی زندگیوں کو تبدیل کیا، اپنی اقدار کی درجہ بندی کی، اور تاریکیوں کو خوبصورت ذہنوں اور پھلدار چیزوں سے تبدیل کیا، اسی وقت 19 کے وسط میں، یورپیوں نے عرب افریقی یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں سے کامیابی کا راستہ تلاش کیا جن کی قیادت مسلمانوں نے کی، اور ہمارا ملک مشکلات اور خیالات اور ثقافت کے انحطاط کے عروج کو عبور کر رہا تھا اور تاریک ترین غاروں کی طرف بڑھ رہا تھا، انگریز دنیا کو فتح کرنے آئے، انہوں نے اسے نوآبادیات کی تعریف کی، اور اس سے انہیں مسلمانوں سے کچھ عقیدے اور اسلامی روح کو مٹانے کا موقع ملا، کسی طرح 200 سال پہلے، انہوں نے نظام تعلیم کو دو مکاتب فکر میں تقسیم کیا، پہلا: صرف اسلامی تعلیم (شریعت اور قانون) دوسرا: جدید تعلیم (انگریزی اور سائنس) اور ہم نے اسے قبول کیا! یہ مسلم تعلیمی تاریخ کی سب سے بڑی غلطی تھی، ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اور آج تک کسی نے اسے تبدیل نہیں کیا، اور افسوس کی بات ہے کہ قوم اس تقسیم کی قبولیت کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے، اور اس کے نتائج سامنے ہیں، ہر کوئی اسے دیکھ سکتا ہے، اسے محسوس کر سکتا ہے، اور اس پر نظر ڈال سکتا ہے، جو شخص اسلام کو جانتا ہے وہ جدید طرز زندگی سے دور ہے، موجودہ مسائل اور اس وجہ سے حل کے لیے اجنبی ہے، اور دوسرا جو موجودہ حالات کا امکان رکھتا ہے وہ اسلام اور اس کے اصولوں سے دور ہے۔ ای جی کے لیے:

ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے حوالہ جات یا مکتب فکر نواب اور اے ایم یو، دونوں اداروں کی

بنیاد مسلم اسکالرز نے رکھی تھی، لیکن پہلا صرف اسلامی تعلیم کی نمائندگی کرتا ہے، اور دوسرا جدید تعلیم کی نمائندگی کرتا ہے، یہ ایک بہت بڑی سرحد اور فاصلے کا خاکہ پیش کرتا ہے لیکن اب صورتحال بدل گئی ہے، ہر کوئی دوڑ میں ہے، ایک کامیاب کیریئر چاہتا ہے، اگر کوئی مسلمان مذہبی جذبے اور جدیدیت یا معاشرتی آزادی کو متوازن کرتا ہے تو ٹھیک ہے، لیکن ایک دوسرے کو چھوڑنا اور اس سے منسلک ہونا زندگی اور تہذیب کے لیے خطرناک ہے، اسلام ہمیں ہر طرح سے متوازن رہنا سکھاتا ہے، حد سے زیادہ بیان کرنا نقصان دہ ہے، اسی وجہ سے ایک حد اور سرخ لکیر ہے، اگر آپ اسے عبور کرتے ہیں تو آپ کو نقصان اور دھاگے ملتے ہیں، استحکام، مساوات لازمی ہے کہ تمام معانی میں ایک کامیاب مسلمان بنیں، تعلیم دیں، سیکھیں، ہوشیار کام کریں لیکن اسلامی قوانین اور اصولوں کے دائرے سے باہر نہیں، اتنا کہنا ہے لیکن یہ ہماری نوجوان نسل کے لیے ایک مختصر مضمون یا پیغام ہے۔

مذہبیات

مدینہ منورہ میں خلافت عثمانیہ کی چند یادگاریں

عالم اسلام میں خلافت عثمانیہ کا دور ملت اسلامیہ کے عروج کا زمانہ تسلیم کیا گیا ہے، جس میں مسلمانوں نے حرب وفن میں بلکہ ہر شعبہ میں غیر معمولی ترقی کی ہے، تقریباً ۶۰۰ سال پر مشتمل یہ سنہرا دور ہمارے لئے بہت سی تاریخی باقیات چھوڑ گیا، گو آج خلافت نہیں مگر ملت اسلامیہ کے دلوں میں اس کی عظمت ومحبت آج بھی ہے، ترکوں کے کچھ تاریخی ورثہ اب بھی حجاز مقدس میں محفوظ ہیں، مدینہ میں عنبریہ کا ایک علاقہ ہے، یہاں ریلوے سٹیشن ہے جو عثمانی سلطان عبد الحمید ثانی نے بنوایا تھا، استنبول سے مدینہ تک ریلوے لائن بچھائی گئی تھی، بابِ عنبریہ کے ساتھ سیاہ گنبدوں والی خوبصورت عنبریہ مسجد بھی عثمانی تعمیرات میں سے ہے، جو عثمانیوں کی یاد دلاتا ہے، فن تعمیر کمال ہے، ہر نقش اپنے آپ میں بے مثال ہے، بعض تاریخی روایتوں کے مطابق شریف مکہ اور خلیفہ وقت کے درمیان بہت سے اختلافات ہو گئے تھے، اور یہ ریلوے لائن جو کہ مکہ اور طائف تک بچھائی جانی تھی اس کا کام یہیں رک گیا تھا اور نامکمل رہا، عرب بدوؤں اور ترک کے درمیان تعلقات کی خرابی کے چلتے یہ ادھوری رہی، صحرائی ریتوں کے درمیان سخت پتھریلی سرزمیں میں یہ ریلوے لائین بچھائی گئی تھی جہاں کئی مقامات پر اس کے سٹیشن بنائے گئے تھے جن کی نشانیاں آج بھی موجود ہیں جیسے العلا کی سرزمین میں موجود کچھ اسی طرز کا بنا ہوا ریلوے ٹریک ہے، عین زوال کی جہاں بہت سی وجوہات ہیں وہی ایک وجہ یہ بھی مانی جاتی ہے، اس کے علاوہ سلع پہاڑی پر موجود تحفاظتی دستہ کے لئے چوکیاں بھی موجود ہیں جہاں سے شہر کی نگرانی کی جاتی تھی، اور ان کی پختگی اس بات کی دلیل ہے کہ امن وامان کے قیام کی کوششیں بھی اعلیٰ درجہ کی ہوتی تھیں، سورماؤں نے حجاز مقدس کا شرف اور اس کی عظمت دگر گوں ہر دور میں جاری رکھی مگر اتراک کو اس سے خاص نسبت تھی، کیونکہ ان کے یہاں تصوف اور روحانیت بانسبت دیگر قوموں کے اوّلیت رکھتی تھی، اسی طرح کئی عسکری قلعے بھی محفوظ ہیں جو دولت عثمانیہ کے آخری دور میں بنائے گئے تھے، جن میں سے ایک العیون روڈ کی طرف ہے، دوسرا احد پہاڑ کے دامن میں ہے، تیسرا وادی عقیق کے کنارے پر ہے، وہیں سلطان

سلیم اوّل نے مدینہ کے چاروں طرف ایک سلسلہ وار دیوار کھڑی کی تھی جو مدینہ کو ایک محفوظ قلعہ کی شکل میں دکھاتی تھی آج بھی اس وقت کی تصویریں موجود ہیں، کچھ باقیات ہیں، کچھ وقت کے ساتھ ساتھ مٹ چکی ہیں اور کچھ امراء و خلفاء کے تسلط کے بعد ناپید ہو چکی ہیں مگر، آج بھی جو تاریخی ورثہ ہمارے پاس محفوظ ہے وہ نشان عبرت بھی ہے اور نشان قوت بھی، زمانہ کی بدلتی کروٹوں کے ساتھ نسل نو نیا پیام زندگی لکھ رہی ہے مگر اسلاف کی میراث کا جہاں پاس رکھا جاتا ہے وہاں کامیابی مقدر ہوتی ہے، اور جہاں گلوبلائزیشن میں ضم ہو کر فکری و مادی طور پر مفلوج بنا جاتا ہے وہاں امت کے ہاتھ سے دین بھی جاتا ہے اور دنیا بھی جاتی ہے۔

اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی
نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت ان کی

عید کا پیغام ملت اسلامیہ کے نام

ماہ رمضان کا مقدس مہینہ اختتام کو آ پہنچا ہے، ملت اسلامیہ عید کے چاند کا انتظار کر رہی ہے، سب سے پہلے برادران ملت کو عید الفطر کی پرخلوص مبارکباد، بارگاہ الہی میں التجا ہے کہ ہمارے گناہ معاف فرمائے اور ہمیں رحمت وعاطفت کے زیر سایہ اپنے دین وملت کی خدمت کے لئے قبول فرمائے، عید کا پیغام محض خریداری وجشن منانے کا نام نہیں بلکہ اپنے آپ میں بہت سے معانی کا احتمال ہے، خداوند قدوس نے یہ مبارک دن اپنی خلق کو انبساط و اظہار مسرت کے لئے عنایت کیا ہے، کہ اسکے بندے رمضان المبارک کے روزے خالص اسکی رضا حاصل کرنے کے لئے رکھیں اور پھر اسکا اختتام اسکی حمد و ثنا کے ساتھ شرف قبولیت کی دعاء مانگتے ہوئے کریں، اہالیان اسلام کو رب العزت نے محض انفرادی خوشی نہیں بلکہ اجتماعی خوشی دی ہے، یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ غریبوں بے کسوں اور مجبورں کو انکا حق دیا جائے، زکات اور صدقہء فطر ادا کیا جائے بخاری ومسلم میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے: ''اللہ کے رسول ﷺ نے صدقۂ فطر فرض کیا ہے۔'' اپنے ارد گرد ہر فرد کی خوشی کا خیال کیا جائے، جدید ونظیف پوشاک زیب کی جائے، اسلامی شعائر کا لحاظ کیا جائے، دینی احکام واعمال کی پابندی کی جائے، امانت داری وصدق بیانی کا عہد کیا جائے، شر ومکر سے محفوظ رہنے کی کوشش کی جائے، خدا رب العزت نے ہمیں اس مبارک ماہ میں عبادت کا جو موقع دیا ہے وہ محض وقتی نہیں بلکہ یہ حق ہمیں دیگر ایام میں بھی ادا کرنا ہے، عید کے موقع پر دیگر قوموں کے ساتھ اظہار یکجہتی کر کے انکو بھی اپنی خوشی میں شامل کریں، غیر اللہ کے ماننے والوں کو ایک خدا کی طرف بلائیں، دعوت و دعا کو اپنی عملی زندگی میں اولیت بخشیں، موجودہ حالات کے تناظر میں نجات اور سالمیت کا واحد راستہ یہی ہے، تعصب ونفرت کے ماحول سے گریز کریں۔ اور راسے محبت و بھائی چارگی میں بدلیں، مسلکی اختلافات سے قطع نظر اس بات کا خیال رکھیں کہ تمام مسلمان دینی بھائی ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: {إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ} [الحجرات: 10]، عید الفطر کے معنی ہوتے ہیں افطار کرنے کہ اور اس موقع پر کھجور کھانا سنت

ہے کہ یہ دن روزہ نہیں رکھا جاسکتا اور کوشش کریں کہ دوسروں میں بھی تقسیم ہو، عید کی نماز ادا کرنے جانے کے لئے دو مختلف راستے اختیار کریں ایک سے جائیں تو دوسرے سے واپس آئیں یہ مسنون ہے، عید کی نماز سے قبل تکبیر و تسبیح کا ورد کریں، اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد، عید کی نماز کھلے میدان میں پڑھنا محبوب ہے لہذا عید گاہ میں نماز ادا کرنے کی کوشش کریں، اسلامی تحیات کا استعمال کر ایک دوسرے کو مبارکباد پیش کریں جیسے کل عام وانتم بخیر، تقبل اللہ منا و منکم، خدا تعالی ہمارے روزے اور ہماری عبادات قبول فرمائے اور ہم سب کی مغفرت فرمائے، آمین۔

نبی رحمت ﷺ کی صفت رحمت عصر حاضر کے تناظر میں

اللہ تعالی نے قران مجید میں اپنے حبیب ﷺ کا متعدد مقامات پر صفت رحمت سے ذکر فرمایا ہے رحمت کا لفظ اپنے اندر اہم ترین صفات و معانی کو شامل ہے، چناچہ عربی زبان کے اس لفظ کے مفہوم کو بیان کرنے کے لئے ہمیں اردو میں شفقت نرمی حنان رافت وغیرہ الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے، اس کی نقیض وضد حدت وشدت سختی وغلظت وغیرہ ہے۔

رحمت یہ ایک ایسا عاطفہ اور جذبہ ہے جس کے وجود سے بندہ میں احسان اور خیر و بھلائی کرنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے، اللہ تعالی نے اپنے اندر اس صفت مبارکہ کے وجود کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا ہے: ہو الرحمن الرحیم (وہ بہت رحمت والا، نہایت ہی مہربان ہے) اور ارشاد فرمایا: اسی مبارک صفت سے اللہ تبارک وتعالی نے اپنے حبیب ﷺ کے متصف ہونے کو ان الفاظ سے بیان فرمایا: {لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ۔ التوبة : 128]} تمہارے پاس ایک ایسے رسول تشریف لائے ہیں جو تم ہی میں سے ہیں، جن کو تمہاری مشقت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے، جو تمہارے خیر خواہ ہیں اور مومنین کے ساتھ بڑے ہی شفیق و مہربان ہیں، نیز ارشاد باری تعالی ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ [آل عمران: 159] اللہ کی رحمت سے تم ان (مومنین) کے لئے نرم مزاج ہو۔

آپ ﷺ نے فرمایا: لا یرحم اللہ من لا یرحم الناس (بخاری ومسلم) اللہ تعالی اس پر رحم نہیں کرتے جو لوگوں پر رحم نہ کرے۔ الغرض رحم کی صفت ایسی عظیم ہے کہ جس کے اندر سے یہ صفت جاتی رہی وہ بہت ساری خیر سے محروم ہو گیا بلکہ ایسے شخص کی زندگی شقاوت و محرومیت کا شکار ہو جاتی ہے،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے صادق ومصدوق اس حجرہ شریفہ کے مکین ابو القاسم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: رحمت کسی بد بخت ہی سے چھینی جاتی ہے « لاَ تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ إِلاَّ مِنْ شَقِيٍ. (أبو داود والترمذی») آپ ﷺ رحمت وشفقت کا پیکرِ بے مثال، بلکہ رحمت ورافت کا محور ومرکز تھے آپ کی اس صفت عظیم کا قران کریم نے ان الفاظ میں نقشہ کھینچا ہے: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ [الأنبياء: 107] (اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے) آپ ﷺ کی ذات جہاں مومنین کے لئے رحمت ہے وہیں کفار بلکہ تمام بنی نوع انسان حتی کہ حیوان تک کے لئے بھی آپ ﷺ رحمت وشفقت کا پیکر جمیل ہیں اس سے بھی آگے بڑھ کر تمام مخلوق کے لئے آپ کی رحمت عامہ کا اعلان کر دیا گیا، کون ہے جو آپ ﷺ کی اس صفت رحمت میں شریک وسہیم ہو؟ آپ کی لائی ہوئی شریعت آپ کا پیش کردہ دین اسلام، اس کا پیغام سب کچھ ہی سراپا رحمت وخیر ہے، جس میں ساری ہی انسانیت کی بھلائی وخیر خواہی اور تمام دنیائے انسانیت کے لئے پیغام رحمت ورافت ہے، وہ دین رحمت جس کا پیغام ہی سلامتی کا ضامن جس کا رسول ہی رحمت کا مظہر اور سلامتی کا علمبردار، جس کا نبی رحمت ساری دنیا میں پیغام محبت عام کرنے کا داعی، جس کا تحیہ اور سلام بھی سلامتی کی دعا پر مشتمل اور اہل جنت کے سلام کے مشابہ ہو، تو کیا اس جیسی رحمت والفت ومحبت ورافت کی چھاپا رکھنے والے کوئی دین وملت یا پیغمبر وپیشوا اس زمین کے اوپر یا آسمان کے نیچے پیش کیا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، اس لئے جو شخص بھی انصاف پسندی اور منصف مزاجی سے سرورِ دوعالم ﷺ کی زندگی کا جائزہ لے آپ ﷺ کے اخلاق شریفانہ اور محامد کریمانہ پر نظر ڈالے تو اس کو یقیناً اس کا اندازہ ہو جائے گا کہ آپ ﷺ کی ذات میں سارے فضائل جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اور سب ہی فضائل ومحاسن آپ کی طبیعت وشرست میں ایسے طور پر ودیعت کر دیئے گئے تھے کہ اس میں آپ کو ذرا بھی تکلف کا سہارا نہ لینا پڑتا بلکہ یہ محامد وکریمانہ اخلاق گویا آپ کی فطرت کے ساتھ لازم وملزوم تھے، اور آپ ﷺ کے ہر قول وفعل میں رحمت کا پہلو نمایاں تھا۔

دوسری جانب آپ ﷺ کی ذات عالی ہر طرح کے نقص وعیوب سے پاک صاف تھی، اور آخر کیوں نہ ہوتی کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالی نے ساری مخلوق میں سے منتخب فرمایا تھا اور قدرت خداوندی نے آپ ﷺ کی ایسی تربیت فرمائی ایسے اخلاق وآداب سے آپ کو آراستہ وپیراستہ فرمایا کہ آپ ﷺ کو خدا تعالی کا آخری پیغام (جس پیغام کو تا قیامت باقی رہنا تھا) دے کر مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ کی

شخصیت کو ساری انسانیت کے لئے نمونہ و آئیڈیل بنادیا، حتی کہ قران مجید میں جو فضائل و محاسن حسن اخلاق و کریمانہ صفات بیان کئے گئے ہیں آپ ﷺ ان سب کے حامل تھے بلکہ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے اپنے آنے کا مقصد ہی حسن اخلاق کی تکمیل فرمایا۔: « إِنَّمَا بُعِثْتُ لأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأَخْلاَقِ »۔

دورِ حاضر کا اسلام وہ اسلام نہیں جو محمد عربی ﷺ لیکر آئے تھے

یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ یہودیت اور عیسائیت کی طرح ہی اسلام کی مسخ شدہ تصویر ہمارے سامنے ہے، جو حقیقت سے کوسوں دور یا تو رہبانیت کی دعوت دیتی ہے، یاں دینی تمہیدات کو ہی دین بنا کر پیش کرتی ہے جیسے: جس میں نماز روزہ اور ایام کی ہی اہمیت ہوتی ہے، یا رسمی طور سے انفرادی اور اجتماعی مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے چند قاعدے مرتب ہیں جن پر عمل پیرا ہونا ہی مطلب مسلمان ہونا مانا جاتا ہے، اصل اسلام وہ ہے جو قرآن میں ہے، جو احادیث کے ذخیروں کی شکل میں ہمارے کتب خانوں میں گرد آلود ہو رہا ہے، (اس کو پڑھنے سے زیادہ سمجھنے اور عمل کرنے کی ضرورت ہے) جو صحابہ کے فضائل سے زیادہ ان کے نقش قدم پر چلنے پر زور دیتا ہے، جس میں کارگاہ حیات کے ہر مسئلہ کا حل موجود ہے، سیادت سے سیاست تک کا ہر مسئلہ، انسانیت سے طب و سائنس کا ہر مسئلہ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہمارے ہی تقریباً سو سالہ عرصہ کے رہبروں کے ذریعہ کیا گیا ہے، ان کو استعمال میں لاکر فکری استعمار ہوا ہے، اور جب تک اس سایہ میں ہم پرورش پاتے رہینگے اور جمعہ کے خطبے وعظ و نصیحت اور دفاعی رہینگے تب تک ہم اغیار کا ہاتھوں یرغمال ہوتے رہینگے، اور ذلت و رسوائی ہمارا مقدر رہو گی، وقت ہے کہ اسلام ازم کی صحیح تصویر پیش کی جائے، جہاں دینی معبدوں اور مکتبوں کے ساتھ ہاسپٹلز، کالجز، معاشی استحکام وافر مقدار میں موجود ہو، انسانیت ہی اسلام ہے یہ ہم عملی طور سے ثابت کر سکیں، دور ماضی کے اسلام میں اور آج کے اسلام میں ایک تقابلی مطالعہ کی ضرورت ہے جہاں واضح طور سے ہمیں معلوم ہو کہ کس قدر ہم تاریخ کو روندنے پر تلے ہیں، جماعتوں اور مسلکی فرقوں سے بڑھ کر اسلام کی اصل بقا اور اہل اسلام کی سر بلندی ہی اگر منشا ہو گی تو کسی درجہ ہم کامیاب ہو سکینگے ورنہ ذلت و خواری کم نہیں ہو گی، یہ چوطرفہ گھیر کے آپ کو نقصان دینے کے ساتھ آنے والی نسلوں کے ایمان کی سلامتی پر سوالیہ نشان ہو گی۔

امن اور سلامتی اسلام کا شعار

خداوند قدوس نے ارشاد فرمایا ہے؛ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا۔ نیز انحضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے؛انصر اخاک ظالما او مظلوما ۔ انسانیت کے رؤ سے مذکورہ آیت اور حدیث ایک اہم پہلو کو اجاگر کر رہی ہے۔ یہ پہلو انسانیت کے ساتھ ہمدردی وخیر خواہی کا پہلو ہے امن اور شانتی کا پہلو ہے، بھائی چارگی کا پہلو ہے، اتحاد اور اتفاق کا پہلو ہے چمن کی فضاؤں میں خوشبو بکھیر نے کا پہلو ہے اس دور میں اسلام اور مسلمانوں پر جو الزامات اور تہمتیں عائد کی جاتی ہیں انکو آتنک واد اور دہشت گرد ٹھہرایا جاتا ہے، ان پر الزام ہوتا ہے کہ وہ صرف تشدد اور نفرت کو عام کرنے کیلئے برپا ہوئے ہیں اور انکے سامنے القاعدہ اور طالبان کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں انکے سامنے بے قصور مسلمانوں کو مجرم اور ٹیررسٹ بنا کر پیش کیا جاتا ہے، اور فرقہ پرستی کی حدیں پار کرتے ہوئے انکے سروں پر لایعنی الزامات تھوپے جاتے ہیں۔ حالانکہ اسلام کا نظریہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اسلام انسانیت کے زور سے پھیلا ہے، اسلام حسن اخلاق کے زور سے پھیلا ہے۔ اسلام کا کہنا ہے کہ کسی لاغر و بے بس پر بے جا ہاتھ نہ اٹھاؤ، ظلم نہ کرو، اور اگر کوئی ایسا کرے تو اسے روکو اور یہ ہمدردی بلا تفریق مذہب وملت ہر انسان کیلئے عام ہے خواہ وہ کسی فرقہ سے یا کسی قبیلہ سے یا کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔

اسلام نے فرقہ پرستی سے روکا ہے، اسلام نے تشدد سے روکا ہے۔ اسلام نے ظلم وجبر سے روکا ہے اور بھلائی وخیر سگالی کی دعوت دی ہے، امن اور شانتی کی دعوت دی ہے، اتحاد اور اتفاق پیدا کرنے کی دعوت دی ہے۔ قرآن میں ارشاد باری ہے کہ؛واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا ۔ اور ان بے نظیر اخلاق وکردار کا مثالی نمونہ آنحضور ﷺ کو بنایا ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ کے واقعات اس چیز کی نشاندہی کرتے ہیں۔ جیسا کہ فتح مکہ کے وقت آپ ﷺ نے اسلام اور مسلمانوں کے سخت ترین دشمنوں کو معافی کا پروانہ بخشا اور انکے ظلم وستم کو درکنار رکھتے ہوئے ان سے عمدہ رویہ اختیار کیا اور

کارہائے نمایاں انجام دیتے ہوئے بہترین ہمدردی وخیرسگالی کا مظہر پیش کیا جسکی مثال تاریخ کے صفحات پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ ثبوت ہے اسلام کے حقیقی نظریہ کا، یہی اصل کرم فرمائی اور رعنائی ہے جو اس امت کیلئے وقف کردی گئی ہے۔ آج کے مسلمانوں کے حالات پر اسلام کو قیاس کرنا غلط ہے بلکہ اسلام کی حقیقت کو تلاش کرنا اصل ہے اور اس غلط نظریہ کا شکار اہل مغرب سے زیادہ اہل مشرق ہیں جو مسلمانوں کو انکے حالات اور انکی ستم کاریوں کی وجہ سے بدنام اور پراگندہ سمجھتے ہیں، برعکس اہل مغرب کے کہ انکے یہاں اسلام کو بالکل غلط تصور کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے اور صیہونی ویہودی سازشیں وچال بازیاں چاروں طرف سے اسلام کو معاشرہ اور سماج کے لئے نقصان دہ قرار دیتی ہے۔ لیکن پھر بھی لوگ سچائی کے متلاشی ہیں حقیقت کے متلاشی ہیں۔ وہ اس جستجو میں رہتے ہیں کہ اسلام کو وائرس کیوں کہا جاتا ہے! آخر کیا وجہ ہے کہ اس مذہب کی اتنی نفرت دلوں میں بسائی جاتی ہے اور پھر اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں، قرآن کو پڑھتے ہیں، سیرت کو جانتے ہیں اور پھر حقیقت انکے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے۔

اور یہ بات مسلم ہے کہ اگر مسلمان اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھیں، اسلامی آئین پر عمل پیرا ہو اور صحیح اسلامی نظریہ سے دنیا کو واقف کرائے تو کوئی بعید نہیں کہ اہل باطل حق کے راستہ کو اپنائیں، دشمنان اسلام حامیان اسلام بن جائیں اور چارسو جو ظلم اور بربریت کے انقلاب برپا ہیں وہ ایک روشنی اور نور کے انقلاب سے تبدیل ہوجائیں۔ وہ انقلاب جو آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے مکہ میں آیا تھا اور امن کا پیغام لایا تھا شانتی کا سندیش لایا تھا خیر اور بھلائی لیکر آیا تھا اس انقلاب نے دلوں سے نفرتیں ختم کرکے محبتیں جگائیں۔ اس انقلاب نے تشدد اور عصبیت کو ختم کرکے اتحاد اور اتفاق کا پیام دیا اور اسی انقلاب نے دنیائے جہاں کو کارگر حیات میں کامیابی وکامرانی کے گر سکھائے اور اسی انقلاب کی بدولت پوری دنیا ترقی کی راہوں پر گامزن ہوئی اور آج اسی انقلاب کی بدولت دنیا کے ہر کونے میں اس کو ماننے والا اور تسلیم کرنے والا موجود ہے۔

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

اقوام عالم میں مذہبی زیارات کی اہمیت

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں، محفلِ انجم بھی نہیں

مذہب کو لیکر ازل سے ہی انسانی دنیا میں ایک جوش پایا جاتا ہے، اور یہ ایک اچھی بات ہے مگر وہ راہ حق کے لئے ہو، اور حقانیت کا راستہ ہر شخص اپنے دین میں سمجھتا ہے اور اسی کی تلاش میں رہتا ہے، اور بس اوقات اس جستجو میں وہ کہیں دور نکل جاتا ہے، اور پھر شاید اس کی روح کو جہاں خدا نظر آتا ہے، وہیں اس کا سفر ختم ہوتا ہے، یوں تو وہ ذات کائنات کل میں ہے مگر انسانوں نے اس کے لئے مخصوص مقامات بنا دیئے ہیں، اور بناتے بھی کیوں نا، حکم خداوندی جو تھا، دین حنیف کے پیمبر سیدنا ابراہیم خلیلؑ کو خدا عزوجل نے حکم دیا کہ وہ ایک بے آب و گیاہ سرزمین کی جانب کوچ کریں، اور بحکم خداوندی وہاں خدا تعالیٰ کے گھر کی تعمیر نو کریں، جو گھر صدیوں پہلے بابائے انسانیت حضرت آدمؑ نے بنایا تھا، اور یہاں سے سفر شروع ہوتا ہے مذہبی سفر جسے راہ حق کی جستجو کے لئے کیا جائے، شاید بلکہ یقینا جس کی شروعات دین اسلام سے ہوئی اور رفتہ رفتہ دیگر قوموں نے اپنے تخیلات کی بناء پر اپنے اپنے خدا تراشے اور ان خداؤں کے تلاش میں اس روایت کو اپنے مذاہب میں شامل کر خدپسند ادیان کا حصہ بنا دیا، خداپسند دین میں ریگستان اور پہاڑوں کے بیچ دنیا کی گرم ترین سرزمین مکہ پر خدا نے اپنے خلیل کو حکم دیا کی وہ اس کے گھر کو آباد کریں اور دنیائے انسانیت میں یہ اعلان کر دیں کہ وہ خدا کے گھر کی زیارت کے لئے دور دراز سے آئیں اور دین کی تکمیل کریں، ہدایت یافتہ لوگوں نے لبیک کہا اور گمراہی پر چلنے والوں نے اسی گھر میں خود ساختہ خدا رکھا، بیت العتیق کی زیارت سبھی کرتے تھے جو راہ حق پر تھے وہ بھی اور جو بھٹکے تھے وہ بھی، روایت ایک ہی تھی طریقہ مختلف تھا، یہاں تک کے حضور ﷺ کی آمد ہوئی اور دین اسلام کی تکمیل، اور تمام عالم کے لئے اصول متعین ہوئے تو زیارت حج کی صورت میں فرض اور اسلام کا رکن قرار دی گئی، بت پرستی کی

ابتداء جو ہوئی تو ان کا تبادلہ بھی شروع ہوا، اور مختلف قوموں نے اپنے بتوں کو مخصوص علاقوں میں جہاں یا تو وہ رہائش پذیر تھے یا ں ان کی رسائی ہو سکتی تھی آباد کیا، عاد و ثمود نے مدائن صالح میں آباد کیا تو ارم ذات العماد نے یمن میں، اور سامری یہودیوں نے ارض مقدسہ میں تو عیسائیوں نے روم کے کلیساؤں میں، اور ہندوؤں نے ہمالیہ کی چوٹیوں میں تو سکھوں نے سنہرے مندر میں، اس طرح ہر قوم مذہبی زیارت کے لئے اپنے مخصوص مقام کی طرف کوچ کرتی رہی، مقصد ایک ہی تھا، خدا کی تلاش میں ایک سفر جو ان کو روحانی غذا پہنچائے، من کو شانتی دے، اور ان کی پکار سنے، مندرجہ ذیل مشہور مذاہب کے دینی اسفار کے بارے میں چند بنیادی معلومات ہیں:

اسلام میں مذہبی سفر :

اسلام میں حج کا سفر جو مسلمانوں کے لیے بہت زیادہ مذہبی اہمیت کا حامل ہے۔ اسے اسلام کے پانچ ستونوں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے، جو عبادت کے بنیادی اعمال ہیں جو ایک مسلمان کے ایمان اور عمل کو تشکیل دیتے ہیں۔ حج ان بالغ مسلمانوں پر اپنی زندگی میں ایک بار فرض ہے، جو جسمانی اور مالی طور پر سعودی عرب کے مقدس شہر مکہ کا سفر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جہاں اللہ مسلمانوں کو یہ حج کرنے کا حکم دیتا ہے۔سورہ آل عمران (3:97) میں فرمایا گیا ہے: "اور خانہ کعبہ کا حج ایک فریضہ ہے جو انسانوں پر اللہ کے ذمے واجب ہے، ان لوگوں پر جو سفر کی استطاعت رکھتے ہیں۔" یہ آیت حج کے مذہبی فریضے پر روشنی ڈالتی ہے اور اللہ کے ذمہ واجب ہونے کے طور پر اس کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ مسلمان اپنی زندگی میں ایک بار حج کی سعادت حاصل کرتے ہیں تا کہ مذہبی فریضہ کو پورا کیا جاسکے اور روحانی تزکیہ حاصل کیا جاسکے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ حج کرنے سے مسلمان اپنے گناہ معاف کر کے نئے سرے سے شروعات کر سکتے ہیں۔ سفر کو اللہ سے قربت حاصل کرنے اور گھر سے دور سفر کر کے اس کی برکتیں حاصل کرنے کے راستے کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔

عیسائیت میں مذہبی سفر :

عیسائی یاترا اسے مراد وہ سفر ہے جو افراد کی طرف سے مذہبی اہمیت کے مقامات پر کیا جاتا ہے۔ یہ مقامات مقدس مقامات، مزارات، یا بائبل کے واقعات یا مقدسین کی زندگیوں سے وابستہ مقامات ہو سکتے ہیں۔ عیسائی یاتری مختلف فرقوں میں مختلف ہوتے ہیں اور اس میں یروشلم، بیت اللحم، روم، لورڈیس، یا

سینٹیا گو ڈی کمپوسٹیلا جیسے مقامات کے دورے شامل ہو سکتے ہیں، جو حجاج کی روایت اور عقائد پر منحصر ہے۔ یہ عقائد تاریخ میں بہت پیچھے چلے جاتے ہیں اور کئی صدیوں سے گزرے ہیں۔ کیتھولک زیارتیں کیتھولک چرچ جیسی جگہوں کے لیے مخصوص ہیں اور ان مقامات کا دورہ کرنا شامل ہے جو مذہبی اہمیت رکھتے ہیں اور صدیوں سے کیتھولک ثقافت کا حصہ رہے ہیں۔ ان سائٹس میں کنواری مریم، یسوع مسیح، سنتوں، یا یسوع مسیح کی زندگی کے اہم واقعات سے وابستہ مقامات کے لیے وقف مزارات شامل ہو سکتے ہیں۔ کیتھولک یاتریوں میں اکثر دعا، اوشیشوں کی تعظیم، اجتماع میں شرکت، اور یسوع مسیح کے لیے دیگر عقیدت مندانہ طریقے شامل ہوتے ہیں۔

یہودیت میں مذہبی سفر :

یہودیت میں، ایک زیارت کو عالیہ لاریجیل کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس سے مراد یہودی لوگوں کی قدیم رسم ہے جو مخصوص تہواروں، جیسے کہ پاس اوور، شاووت اور سکلوٹ کے دوران یروشلم میں ہیکل کا سفر کرتے تھے۔ جب کہ مندر اب کھڑا نہیں ہے، یہودیت میں زیارت کا تصور ان کی تاریخ کے ایک حصے کے طور پر اہم ہے، اور یہ عقیدے کی مذہبی اور تاریخی جڑوں سے جڑنے کا ایک طریقہ ہے۔

ہندومت میں مذہبی سفر :

ہندومت میں، یاترا، جسے تیرتھ یاترا کہا جاتا ہے، مذہبی عمل کا ایک اہم پہلو ہے۔ ہندو مقدس مقامات، مندروں، دریاؤں اور پہاڑوں کا سفر کرتے ہیں جن کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ روحانی توانائی اور الٰہی نعمتیں رکھتے ہیں۔ مشہور ہندو یاتری مقامات میں وارانسی، رشیکیش، ہریدوار، ایودھیا، اور چار دھام کے چار مقدس مقامات (بدری ناتھ، دوارکا، پوری، اور رامیشورم) شامل ہیں۔

بدھ مت میں مذہبی سفر :

یہ ایک فلسفہ نما مذہب ہے جہاں حیات انسانی کو تکلیف سے بچنا سکھایا جاتا ہے اور یہ گوتم بدھ کی تعلیمات کو مانتے ہیں، ان کے کئی مذہبی مقامات ہیں جن میں سارناتھ نامی ایک مقام جو اتر پردیش، بھارت میں گنگا اور ورون ندیوں کے سنگم کے قریب واقع ہے۔ سارناتھ میں ڈیئر پارک وہ جگہ ہے جہاں گوتم بدھ نے سب سے پہلے دھرم کی تعلیم دی تھی، لمبینی جہاں گوتم بدھ پیدا ہوئے، کشی نگر جہاں

گوتم بدھ کا انتقال ہوا تھا۔

اقوامِ عالم یوں تو سینکڑوں گروہوں میں تقسیم ہوئی اور ہر گروہ کے اندر بھی گروپ بندی ہوئی جیسے مسلمانوں میں شیعہ سنی تقسیم عیسائیت میں کیتھولک اور تھوڈوکس کی تقسیم اور ان کے مختلف مقامات جیسے روضہء امام حسین کربلا و نجف ہو یا بریلی و چشتی کی درگاہیں ہوں ہر مذہب کے اندر موجود فرقوں نے بھی اپنے اپنے مذہبی مقامات کا تعین کیا ہے، اور یہ جگہیں عوام الناس کے لئے مقدس ترین ہوگئیں کہ یہاں حاضری کے بغیر ان کے ایمان کی تکمیل ہی نہ ہو چہ جائے کہ محض روحانی تغذیت حاصل ہو، اور ہر شخص متعلقہ دین و مذہب کے لئے بیشتر ان مقامات کے زیارت کرتا ہے، اور اپنا دینی نظریہ پختہ کرتا ہے، بالآخر ایک حدیث پر اس تجزیئے کا اختتام کرینگے جو مسلمانوں کے لئے رہبر انسانیت حضور اکرم محمد ﷺ نے مذہبی سفر سے متعلق ارشاد فرمایا کہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الرَّسُوْلِ صلى الله عليه وآله وسلم، وَمَسْجِدِ الْأَقْصٰى.

”مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ کے سوا کسی (اور مسجد) کی طرف (زیادہ ثواب کے حصول کی نیت سے) رَختِ سفر نہ باندھا جائے۔“۔ (متفق علیہ)

سرمایہ جات

مدارس اسلامیہ ۔۔۔ایک تنقیدی جائزہ!

مدرسہ جمع مدارس یہ کلمہ اہل لغت کے نزدیک عمومیت پر دلالت کرتے ہوئے تمام اقسام کے علوم وفنون کے مراکز ومکاتب پر منحصر ہے. لیکن عرف عامہ میں علوم شریعت اسلامیہ کے مرکز ومنبع کے لئے مطلقا استعمال ہوتا ہے۔

برصغیر میں مدارس کا وجود مغل بادشاہوں کے ذریعہ ہوا ہے اور آج اسے مختلف روش سے مختلف مسالک ومناھج کے ذریعہ دین اسلام کا ٹھیکہ انکے یعنی اہل مدارس کے ذمہ کیا جارہا ہے،منقبت بیانی و تعریف وجی حضوری میں ادباء وکتاب وشعراء وبذات خود علماء نے کوئی کسر نہ ترک کی لیکن یہاں مقصد انہیں مروجہ رسم وریتی رواج سے واقف کرانا ہے جو ان کے درمیان اندھی تقلید کا شکار ہے. اور ان سے گریز کرانا اور کنارہ کشی کروانا اور امت کو ان باوروں کے خطرہ کے نشان سے متعارف کرانا ہمارا فرض عینی ہے حق کی آڑ میں باطل کو فروغ دے رہے آستین کے سانپوں سے ملت کے شعار کو بچانا ہر مسلمان کا منصب ومنشاء ہو جب تک نفاق کو حیات نبویہ میں مخفی کیا گیا وہ اس وقت کی اور زمانہ کی حکمت عملی تھی مگر اب ضرورت ہے کہ داڑھی ٹوپی کا لبادہ اوڑھے عمامہ وقباء میں چھپے لادینی وصہیونی ایجنٹوں کا پردہ فاش کرنا وقت کی اشد ضرورت ہے اور حاشا وکلا اسکے ماوراء کوئی ذاتی یا سامراجی مفاد مخفی نہیں جیسا کہ مبصرین اپنی ذرہ نوازی فرما کر تہمتوں کے انبار لگائینگے. اور بالضرور الحق مر کی کہاوت مصداق ٹھہرے گی لیکن اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے میں حتی الامکان حقیقت کو واضح کرونگا انشاءاللہ تعالی مدارس اسلامیہ میں ذات پات اور برادری واد کا جھگڑا اعالی منصب سے لیکر درجہ اول کے طالب علم تک پایا جاتا ہے جس میں اسکے background سے لیکر ہر چیز پر تعصب پرستی غالب ہے اور اسلامی مساوات کو تہہ تیغ کرکے رکھا گیا ہے۔

◄ ذاتی تعلقات ومفاد پرستی کو مدنظر رکھتے ہوئے موافقین ومحبین کو سرعام شعائر اسلامیہ و دینیہ کی

پامالی کا موقع فراہم کیا جاتا ہے اور اسکے فروغ میں انکی نصرت و اعانت کی جاتی ہے۔

- چندہ، عطیہ، ہدیہ کے نام پر لاتعداد رقم کی وصولی مختلف ذرائع کے سہارے سے بہانہ بازی وشوشہ پروری اور شرانگیزی کا استعمال کر کے حلال وحرام کی تمیز کئے بغیر ہی مصرف ومخرج بنانا ایک عمومی روایت بن چکی ہے جس میں گاہ بگاہ اضافہ ہو رہا ہے اور اسے معیوب نہ سمجھ کر ملت پر اپنا حق جتانے کا دعوی کیا جارہا ہے۔
- انفرادی و اجتماعی زندگی میں اسوہ نبویہ کو فراموش کر کے قدامت پرستی ومنحرفانہ روایتوں کا پاس ولحاظ کرنا ایک عمومی بات ہے جس پر تاویل کرنا ایک فطری عادت بن چکی ہے۔
- بے جا کسی شخصیت پر الزام تراشی یا حد درجہ منقبت بیانی وتعریف کے پل باندھنا اور مختلف فیہ مسائل پر کثرت سے مباحثہ ومجادلہ کرنا اور دیگر مسالک پر کیچڑ اچھالنا عادت نہیں بلکہ فطرت خبیثہ بن کر دل و دماغ میں سرایت کر گئی ہے۔

علاقائی وصوبائی اعتبار سے دیگر مساجد و مدارس کی حد درجہ مخالفت، بے جا تہمت اور کبھی فساد کی آگ بڑھانا اور عوام کے درمیان غلط فہمی کو جنم دینا انکے نزدیک معصوم خطاء وگناہ صغیرہ ہے جو شاید نفل وتہجد سے عفو واستغفار کا موجب ہوتا ہوگا۔

- کامیابی کی ایک سیڑھی چڑھتے ہی گھمنڈ اور غرور کو ساتویں آسمان تک پہنچانا اور کسی کو خاطر خواہ میں نہ لانا اور حقیقی ہمدردوں کے احسان کو فراموش کر کے اپنی ذات کو تمام تر کامیابی کا مرجع ٹھہرانا اور ناشکری کو کفر کا لباس پہنا کر شرک مجازی پر عمل پیرا ہونا انکے نزدیک ایمانی روش کی اتباع ہے۔
- دین کی ٹھیکداری کا دعوی کر کے ملت کو بس اوقات حقارت آمیز نظروں سے دیکھنا اور شریف الطبع شخص کو اہانت آمیز القاب سے نوازنا شاید کسی روایت سے حضرت کے یہاں جنت کے وجوب کے لئے مسبب حقیقی ہوگا۔
- طلباء پر تشدد وجبر کی زیادتی اور انکی ذلت وحقارت ایک مجنوں کے جنون کی طرح گوبر سے پر عقلوں میں سرایت کر گئی ہے جسے ناخواندہ طور پر ترک کرنا انکے خاص درہ امتیاز کے ناموافق ہوگا اور جناب عالی کی شان میں عظیم الشان گستاخی ہوگی۔

شکایت ہے مجھے یا رب! خداوندان مکتب سے
سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

ان حقائق سے پردہ اٹھانا یقیناً اکثر کے نزدیک ایک غلط بات ہو گی بلکہ چند حضرات تو کفر و الحاد و لادینیت کا فتوی با آسانی اپنی دھاری دھار زبان وقلم سے نکالینگے اور مختلف فرقوں سے میری وابستگی کرا کر اسے سازش قرار دیکر عوام کی عوام میں دھول جھونکنے کی کوشش کرینگے لیکن خردمند وہی ہو گا جو ان باتوں کی تہہ تک جا کر انکا حل تلاش کریگا اور بھٹکے ہوئے بھٹکے ہوئے مسافروں کو انکی منزل کا پتہ دے گا اور انکو بتائیگا کہ العلماء ورثة الانبیاء کون ہوتے ہیں! انکے اخلاق و کردار و معاملات کیسے ہوتے ہیں ! انکی فکر و لائحہ عمل کیسا ہوتا ہے! انکے اسلاف کیسے تھے!

یہاں پہ شمع ہدایت ہے صرف اپنا ضمیر

یہاں پہ قبلۂ ایماں کعبہ دل ہے

سفر ہے دین یہاں، کفر ہے قیام یہاں

یہاں پہ راہ روی خود حصول منزل ہے

شناوری کا تقاضہ ہے نو بہ نو طوفاں

کنار موج میں آسودگی ساحل ہے

ندوۃ العلماء کی علمی کاوشیں

مادر علمی دار العلوم ندوۃ العلماء عالمی شہرت یافتہ ادارہ ہے۔جس نے آزادی کے بعد سے نا صرف برصغیر میں بلکہ عالم اسلام میں صحیح اسلامی فکر، عقیدہ اور نہج کو راہ اعتدال کے سانچے میں ڈھال کر امت میں نبوی فکر کی ترجمانی کو پیش کیا ہے اور تعلیم و تعلم سے لیکر کردار اور منظر کشی کے وہ گلاب کھلائے ہیں، جسکی خوشبو سے گلستان عالم معطر ہے۔علمی و فکری میدان میں ایک ایسا انقلاب برپا کیا جس نے عرب و عجم کو یکساں طور پر سرخم تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا۔ادبی، ثقافتی، صحافتی، اسلامی علوم میں اور کلچر میں ملت کو نشان راہ دکھایا اور ہر شعبہ میں نامی گرامی شخصیات کو ملت کی جھولی میں ڈال دیا۔عربی ادب ہو یا فن تفسیر و حدیث ہو اسلامی ثقافت ہو یا فقہ و قضاء ہو غرض ہر علوم کے ماہرین یہاں سے پروانہ بن کر سارے جہاں کی روشنی کا ذریعہ بنے۔

علم حدیث میں صحاح ستہ اور دیگر موقر و معتبر کتب سمیت حضرت شاہ ولی اللہ کی بے مثال کتب اور ذخیرے اور علماء عرب کی حدیث اور مباحث و اسماء الرجال پر بیش بہا ذخائر کو ندوے نے نصاب میں داخل کر کے علم حدیث میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں وہیں عربی زبان و ادب لغت و انشاء پردازی کے اس ہنر کو تراشا ہے جو ما قبل ہمارے علماء نظر انداز کرتے آرہے تھے اور جاہلیت سے لیکر عصر حاضر کی اکثر و بیشتر ادبی کاوشوں کو نکھارا ہے جس سے شائد اب تک عرب بھی نا آشنا تھے۔تفسیر اور علوم قرآن میں بحث و تحقیق کے وہ رموز پرو دیے ہیں جس نے فہم قرآن کو آسان اور موثر کیا ہے اور مکمل و مفصل تفسیر باعتبار درجہ وسیاق وسباق داخل نصاب کی ہیں۔فقہ اور شعبہ ء قضا میں مسلکی و فکری اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر راہ اعتدال سے کام لیا ہے۔

اردو صحافت و نثر نگاری اور ادبی نقد میں ندوۃ نے اردو زبان کی اشاعت ثانیہ کا کام کیا ہے جس نے اردو میں ایک نئی روح پیدا کی ہے جیسے علامہ شبلی نعمانی کی نثری و نظمی خدمات علامہ سید سلیمان ندوہ کی

کلاسیکل ادبی خدمات مولانا عبد اللہ عباس ندوی کی قاموس ولغت پر ادبی کارنامے و دیگر برصغیر و عالم اسلام میں مکمل اسلامی طرز حیات کا خاکہ کہ ندوہ نے اپنے قلمی وخطابی شہپاروں سے دیا ہے جس کا جیتا جاگتا ثبوت حضرت مولانا علی میاں اور انکی کتب و مضامین جس نے نہ صرف عجم بلکہ عرب میں بھی اپنا لوہا منوایا ہے۔

علوم جدید جیسے سائنس انگریزی جغرافی کو بھی بقدر ضرورت ندوۃ نے نصاب میں داخل کر کے خذ ما صفا و دع ما کدر کی علمی کہاوت اور الحکمہ ضالہ المؤمن کے نبوی مقولہ پر عمل پیرا ہونے کو نظریہ پیش کیا۔

سیرت و تاریخ میں ندوے نے نونہال ان ملت کو اسلاف کی میراث کی یاد دلائی جس نے ۱۴۰۰ سالہ انسانی تاریخ پر اپنے عروج و زوال کے لافانی نقش حرف آخر سے موصع کیے اور ابن بطوطہ سے لیکر ابن خلدون تک تمام تاریخی شہ پاروں کو محفوظ کر کے انکی تدوین و ترتیب کا کام کیا اور مختلف زبانوں میں ترجمہ کر واکے عوام الناس تک ان اکابرین کی روشن اور مثالی زندگی کی نشانیاں پہنچائیں۔ یہ ہے ندوۃ العلماء کا مختصر علمی تعارف جس نے رہتی دنیا تک وہ نقوش ترک کیے ہیں جو بھلائے نا بھولے اور مٹائے نہ مٹے۔

یہ اہل وفا کا ذکر ہے یہ صفا کا مخزن ہے
یہاں پر پلتے ہیں یہ لعل و گوہر کا معدن ہے

یہ دشت جنوں دیوانوں کا!

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی دنیا کی چنندہ علمی درسگاہوں میں سے ایک ہے۔ ہندوستان میں اس علمی ادارہ کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ آزادیٔ ہند کے متزلزل وقت پر سرسید احمد خاں کی یہ کاوش اور حوصلہ محمڈن کالج کی شکل میں وجود میں آیا اور پھر مایا ناز ادارہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام سے دنیا کے سامنے متعارف ہوا۔ محض ایک صدی کے اندر اندر عروج کی راہ پر گامزن اس ادارے نے ملت کے سینکڑوں جانشینوں کو روح پرواز بخشی، برصغیر کی وہ محترم ہستیاں جن پر آج قوم کو فخر ہے وہ اسی ادارہ کا صدقہ جاریہ ہے جن کے علم وفن سے ملت آج بھی مستفید ہو رہی ہے۔ خان عبد الغفار خان، مولانا شوکت علی، علامہ شبلی نعمانی، ڈاکٹر ذاکر حسین، لیاقت علی خاں، شکیل بدایونی و دیگر ہستیاں جن کے علم و ہنر نے دنیا جہاں میں تاریخی دسترس حاصل کی اور آج یہ شخصیات ملت کے دلوں میں تابندہ ہیں۔ سیاسیات ہو یا اقتصادیات اسلامیات ہو یا علوم عصریہ، ہر گہوارہ میں یہاں کے شہسواروں نے علمی دنیا کے میدان میں عظیم کامیابیاں حاصل کیں۔ اس ادارے نے مفکریں بھی دیے مؤرخین بھی، علماء بھی دیے سیاستدان بھی، اقلیت سے لیکر اکثریت تک ہر سطح کے انسان کو علم کے زیور سے آراستہ کیا، علمی دنیا سے آگے اس یونیورسٹی نے دنیا کو تہذیب دی جس کے چرچے فرش سے لیکر فلک تک آج بھی دلوں کی دنیا میں موج زن ہیں۔ یہ وہ زندان ہے جس نے ملت کو راہ راست دکھایا اور تابناک دور میں ملت کے مستقبل کو روشن کرنے کا علم اٹھایا ہے، علمی وادبی دنیا میں آج اس کا مرتبہ عظیم اور بلند ہے تبھی انسانیت کے قاتلوں اور قوم فروشوں کو اسکا وجود گوارہ نہیں، مستقل سازشیں اور منصوبے بنائے جاتے ہیں اسکو ناپید کرنے کے لئے، پہلے اس کے اقلیتی ادارہ ہونے پر سوالات اٹھائے گئے تھے اور اسکو نشانہ بنایا گیا تھا۔ یہاں کی تہذیب اور تمدن کو نیست کرنے کی بارہا کوشش کی گئی لیکن یہاں کے شاہینوں نے حوصلہ اور جانبازی کے ساتھ اسکا دفاع کیا اور فاسدین کی نظروں سے اس گہوارہ کی حفاظت کی، یہاں کے پروانوں نے اپنی بزم وفا کو اشرار کی نگاہوں سے ہر ممکنہ بچانے کی کوشش کی اور بدستور آج بھی وہ پروانے اس شمع کو جلائے رکھنے میں قربانیاں دے رہے ہیں۔

دشمنان ملت کو یہ اندازہ تھا کہ جب تک اس قلعہ پر ضرب کاری نہیں لگائی جائیگی ایک تہذیب کو ناپید کرنا مشکل ہوگا۔ وہ قوم جو اس مادر علمی سے سرشار ہے اور جس میں یہ حوصلہ کہ وہ ماضی میں بھی روشن اور عیاں ہو اسکا وجود بھی اسکے لئے بہت اہم ہے، یہی وہ خدشہ تھا جو رہزنوں کے لیے پریشانی کا باعث تھا۔ وقتاً فوقتاً انہوں نے زبان وقلم سے اسکے اثرات کو اور اسکی سرگرمیوں کو روکنے کی کوششیں کیں اور وہ ناکام ثابت ہوئے۔ گزشتہ چند دنوں میں جو حالات پیش آئے یہ بھی انہیں کا حصہ ہیں، جناح بانی پاکستان ہم ہندوستان کے مسلمانوں کی نظر میں قصوروار تھا اور اسکی تائید آج تک کسی موقر ہندوستانی شخصیت نے نھیں کی، مولانا عبدالکلام آزاد نے ہی جناح کے نعرہ کو مسترد کرتے ہوئے ہندوستان میں رہنا منظور کیا اور ملت اسلامیہ سے اپیل کی کہ وہ مادر وطن کو چھوڑ دوسرے ملک میں جاکر آباد نہ ہوں اور لاکھوں مسلمانوں نے انکی اس آواز پر لبیک کہا، بٹوارا ہو گیا جسکا بالواسطہ مسلمانوں کو نقصان ہوا، لیکن چونکہ ایک قدیم روایت کے مطابق جناح کے اس ادارے سے وابستہ ہونے پر انھیں یہاں کا life time رکن منتخب کیا گیا جو محض رسمی تھا اور جس سے ادارہ کا علمی یا تہذیبی طور سے کوئی واسطہ نہ تھا پھر بھی اس ادنی درجہ کے اختلاف کو نشانہ بنا کر ان غنڈوں نے فساد کیا اور یہ باور کرادیا کہ یہ ادارہ انکی نظروں میں ایک خوفناک خواب ہے جسکی تعبیر بھی خوفناک ہے اور اسی لیے یہاں کے امن کو اور یہاں کی تہذیب کو وہ نشانہ بنا کر مٹانا چاہتے ہیں، لیکن ظالموں کا یہ خواب کبھی شرمندہ نہ ہوگا اور انکی سازشیں ماضی کی طرح ناکام ثابت ہوتی رہینگی، جناح کا بہانہ انہیں مہاراشٹر میں جناح ہاؤس میں نظر نہیں آیا جس پر سرکار سالانہ لاکھوں روپیہ خرچ کرتی ہے۔ جناح کا بہانہ انہیں تاریخ کی کتابوں میں نظر نہیں آیا جہاں اسکی تائید کی جاتی ہے۔ جناح کی شخصیت سے تو انکے ان منصوبوں کو فائدہ ہوا تھا جو آج یہ حکومت کی شکل میں دیکھ رہے ہیں، وگرنہ برصغیر کی ۸۰۰ سالہ تاریخ مسلمانوں کی عظمت کا کچھ اور ہی اندازہ بتاتی ہے۔ سرسید نے جب یہ عظیم ادارہ قائم کیا تھا تبھی اسکی پرزور مخالفت کی گئی تھی، اور اسکو مستقل نشانہ کی زد پر رکھا گیا تھا، اور آج بھی وہی ناگفتہ بہ حالات پیش آرہے ہیں۔ ایسے مقام پر بلا اختلاف رائے تمام سیکولر تنظیموں اور پارٹیوں کو سامنے آنا چاہئیے تھا اور اسکے حق میں آواز بلند کرنی چاہئیے تھی لیکن صد افسوس کہ مسلم نام پر سیاست کرنے والی پارٹیوں نے بھی اس میں کسی قسم کی پیش رفت نہیں کی اور یہ ایک المیہ بھی ہے اور مستقبل کے لئے عبرت بھی، ان سب کے باوجود بدستور فضل خداوندی کے ساتھ یہ ملت کی ترقی کا ایک سبب بنا ہے، اور تاقیامت انشااللہ یہ دریا رواں رہیگا کیونکہ طاق حرم کی چنگاریاں یہاں کی شمع میں پائی جاتی ہیں، یہاں سے جو ابر اٹھتا ہے وہ درحقیقت سارے جہاں پر برستا ہے، ہندوستان کے گوشے گوشے میں اسکی بوندیں ٹپکتی ہیں۔

آج بھی جیسی تہذیب اور طرز تمدن یہاں ہے وہ ہندوستان کے کسی جدید علمی ادارہ میں نہیں۔ یہاں جیسا اتحاد آج بھی کہیں نہیں پایا جاتا اور اسکی ادنی مثال ہے علیگ برادران کی جو یوم سرسید اہتمام و شان و شوکت کے ساتھ دنیا جہاں میں مناتے ہیں۔ یہاں کا بچہ بھی تہذیب سے آراستہ ہوتا ہے اور یہاں کا بوڑھا بھی تہذیب کا نمونہ ہوتا ہے۔ یہ اسلاف کا مرکز بھی ہے اور مرجع بھی، یہ تمدن کا گہوارہ بھی ہے اور علم کا گلستان بھی ہے، یہ خرد کا سوز بھی ہے اور جنوں کا ساز بھی ہے۔

ذرات کا بوسہ لینے کو سو بار جھکا آکاش یہاں
خود آنکھ سے ہم نے دیکھی ہے باطل کی شکست فاش یہاں!

آنکھ حیران ہے کیا شخص زمانے سے اٹھا

وہ ایک تارا جو ضو فگن تھا، حیات کے مغربی افق پر

سیاہی شب کے پاسبانو! خوشی مناؤ کہ وہ بھی ڈوبا

استاد محترم حضرت ناظم صاحب کے وصال کی خبر موصول ہوئی، دلبرداشتہ ہوا یقیناً اولیاء اللہ سے نبوی وراثت قائم ودائم ہے جس میں اولی الوارثین کی عند اللہ حضوری ملت میں فیض وبرکت سے محرومی بھی ہے وہیں عند اللہ حسنا تم ضاعفہ ہیں اور زہد وتقوی علم وعمل کا یہ باب عند اللہ قبولیت کے ساتھ ان شاء اللہ عالم اسلامی میں چشمۂ فیض کی صورت میں رواں دواں رہیگا، اللہ رب العزت آپ کو اعلی مقام نصیب فرمائے اور آپ کے علم کی برکتیں عالم اسلام کے لئے روشن ثابت ہوں۔

جنہیں اب گردش افلاک پیدا کر نہیں سکتی

کچھ ایسی ہستیاں بھی دفن ہیں گور غریباں میں

حضرت مولانا علی میاں کے بھانجے خانوادہ حسنی کے چشم وچراغ ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ حضرت مولانا سید رابع حسنی ندوی کی پیدائش تکیہ کلاں رائی بریلی اتر پردیش سنہ ۱۹۲۹ میں ہوئی، ندوہ العلماء سے فضیلت کے بعد آپ نے مظاہر العلوم سہارنپور میں شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ سے اسناد احادیث حاصل کریں، وہیں دار العلوم دیوبند سے شیخ الہند مولانا حسین احمد مدنی سے اکتساب فیض فرمایا، ۱۹۵۰ میں آپ نے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کے ہمراہ حجاز مقدس کا رخ فرمایا اور تقریباً ایک سال کا عرصہ گزارا اور مختلف علماء سے استفادہ کیا، وہیں آپ کی تقرری ندوۃ العلماء میں عربی ادب کے استاد کے طور پر ہوئی پھر شعبۂ عربی کی ذمہ داری سونپی گئی، سنہ ۱۹۹۳ میں آپ کو مہتمم دار العلوم بنایا گیا، اور حضرت مولانا علی میاں کے انتقال کے بعد نظامت کی بھاگ دوڑ آپ

کے سپرد ہوئی، اسی کے ساتھ ساتھ آپ رابطۂ ادب اسلامی کے صدر اور رابطۂ عالم اسلامی کی رکن تاسیسی بھی تھے، آپ نے عربی رسالہ الرائد کا اجراء کیا اور کئی اہم تصانیف قلمبند فرمائی جس میں: عالم اسلام اور سامراجی نظام: امکانات، اندیشے، اور مشورے، دین و ادب، فقہ اسلامی اور عصر جدید، مسلم سماج، ذمہ داریاں اور تقاضے، سماج کی تعلیم و تربیت: مغربی تجربات اور اسلامی تصور، رہبر انسانیت (اردو، ہندی، انگریزی)، دو مہینے امریکہ میں، فی وطن الامام البخاری (عربی)، نقوش سیرت، سمرقند و بخارا کی بازیافت، حالات حاضرہ اور مسلمان، و دیگر علمی ذخائر شامل ہیں، اور بیشتر زبانوں میں ان کتابوں کے ترجمہ ہو چکے ہیں، نہ صرف اہل علم بلکہ عوام الناس بھی آپ کے وعظ و نصائح کے قلمی ذخائر سے مستفید ہو رہے ہیں، غرض یہ کہ آپ کی شخصیت نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام میں علمی مرجع مانی جاتی ہے جہاں عرب و عجم کے علماء آپ کو قائد ملت کے طور پر جانتے ہیں خواہ وہ شیعہ ہوں سنی ہوں یا کسی بھی مسلک و فرقہ سے ہوں آپ متفق علیہ تھے، بیشتر دنیاوی اعزازات سے سرفراز ہونے کے باوجود حضرت ناظم صاحب کی شخصیت میں انتہائی سادگی تھی، طبیعت میں نرم مزاجی، اور کلام میں شناسائی، مسجد کے برابر قیام گاہ میں مجلس بدستور ہوتی تھی ایک مرتبہ طلباء و دیگر اہالیان شہر حاضر مجلس تھے آپ نے فرمایا کہ علم ایک سمندر ہے اگر اس سمندر کی تہائی میں جاؤ گے تو غرق ہو جاؤ گے، قرآن و سنت کی روشنی میں اس سمندر سے قطرہ قطرہ حاصل کر و اور رضائے الٰہی کی جستجو میں رہو۔

وہ اک سفینہ جو ترجماں تھا بہت سی غرقاب کشتیوں کا
ہماری حالت پہ ہنسنے والو! ہنسی اڑاؤ کہ وہ بھی ڈوبا
وہ ایک دل جو دمک رہا تھا، خلوص و ایماں کی تابشوں سے
خلوص و ایماں کے دشمنوں کو خبر سناؤ کہ وہ بھی ڈوبا

استاد محترم حضرت ناظم صاحب نے تمام تر ذمہ داریوں کے باوجود ہم ابنائے ندوہ کو آخری عمر تک بھی شرف تلمذ بخشا ادب عربی کی کتاب جو آپ کی ہی تصنیف تھی الادب العربی بین عرض ونقد کا درس ہفتہ واری ہوا کرتا تھا، حالات و واقعات کو مد نظر رکھتے ہوئے ہندوستانی مسلمانوں کو مستقل آپ کے پیغام ذرائع ابلاغ کے ذریعہ موصول ہوتے تھے جس میں آپ صبر و ہمت و استقامت کی یقین دہانی فرماتے تھے وہ نکات جن میں خیر امت کی بھلائی ہے، وہیں انتظامیہ ندوہ کو جو بھی مسائل پیش آتے وہ انتہائی حکمت

عملی و دانشوری کے ساتھ آپ حل فرماتے تھے، درحقیقت یہ کہ ملت اسلامیہ کے مخلص جن کا قلب نور ایمانی سے لبریز تھا رحلت فرما گئے آپ کی غیر موجودگی ملت کے لئے ایک خلاء ہے جسے پُر کیا جانا مشکل ہے آپ کے معاصرین میں تقریباً آپ آخری شخصیت تھے اور ایک دور ختم ہوا۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

حضرت مولانا کی جانشینی کو لیکر متفقہ رائے سے ہمارے بزرگ مشفق و مربّی مہتمم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سعید الرحمن اعظمی و دیگر ارباب ندوہ نے یہ فیصلہ لیا کہ ناظر عام ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید بلال حسنی ندوی ندوۃ العلماء کے ناظم مقرر ہوں، یہ ایک خوش آئیند فیصلہ ہے تمام ندوی برادری اس فیصلے کا احترام کرتی ہے اور ندوہ کے لئے بفضل اللہ ہر قسم کی معاونت میں حاضر ہے خداوند اس فیصلے کو قوم و ملت کے حق میں بہتر فرمائے اور تحریک ندوہ کو ایک نئے روشن مستقبل کی جانب گامزن کرے۔

سفریات

خیبر کا سفر

تاریخ وتمدن نوع انسانی کا مستقبل ہے،اسی سلسلہ میں دو روزہ سفر رہا جو مدینہ سے خیبر ہوتے ہوئے مدائن صالح اور العلا سے ہو کر تبوک کے راستہ مدینہ منورہ پر اختتام پذیر ہوا، خیبر وہ علاقہ ہے جہاں مدینہ سے یہود جلاوطنی کے بعد آباد ہوئے تھے،اور پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حکم الہی کے بعد اسکا حصار کیا اسی دوران کھجور کے درخت جلائے گئے اور سخت مشقت کے بعد بالآخر حضرت علیؓ نے قلعہ کو فتح کیا، بالمختصر انکو اسلام کی دعوت دی گئی لیکن وہ جزیہ پر راضی ہوئے، آج تک ہو بہو اسی شکل میں یہ بستی آباد ہے جہاں ہزاروں مکان کھنڈرات کی شکل میں موجود ہیں، جلے ہوئے نخلات ہیں، قلعہ ہے، اور چاروں اور پتھریلی زمین ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دین کی سر بلندی کے لئے کس قدر حضور وصحابہ نے محنت ومشقت کی ہے، ایک ہولناکی ہے اس مقام پر جہاں یہ آبادی ہزار سال سے مہجور ہے، مدائن صالح العلا وہ علاقہ ہے جہاں قوم ثمود آباد تھی یہ قوم حضرت صالح علیہ السلام کی امت تھی، قرآن کریم انکا ذکر کرتے ہوئے قریش مکہ سے مخاطب ہوتا ہے: کانوا أشد منکم قوۃ، یہ قوم بہت طاقتور تھی جس نے مضبوط چٹانوں اور پہاڑوں کو توڑ کر مکان بنائے تھے، اس قوم پر عہد خداوندی کی نافرمانی کے سبب عذاب نازل ہوا تھا، اور آج یہ علاقہ مہجور ہے بیابان ہے، ان مقامات کی زیارت نشان عبرت ہے۔

کشمیر: جنت نظیر کا ایک سفر

رخت بہ کاشمر گشا کوہ وتل ودمن نگر
سبزہ جہان جہان ببین لالہ چمن نگر نگر

وادیء کشمیر ہندوستان کی بلندی پر واقع پہاڑوں اور دریاؤں کے درمیان خلق خداوندی کی خوبصورت اور بے نظیر تصویر ہے، خداوند نے اس سرزمین کو ہر طرح کی خوبصورتی سے نوازا ہے۔ سرسبز وشاداب پہاڑیاں، بہتے ہوئے چشمے، برف کی چادر میں ڈھکی ہوئی چٹانیں اور بے شک یہاں کی بہادر اور فراخ دل قوم، کہا جاتا ہے کہ مغل دور سے پہلے یہاں اسلام آچکا تھا اور یہاں کا بادشاہ بلبل سنگھ پہلا مسلمان تھا، اور مغل شہنشاہ اکبر کے دور میں یہاں پہلا قبضہ ہوا تھا جس نے مغلوں کی زمینی سرحدیں مزید وسیع کر دیں تھیں اور ایک نئے دور کی ابتدا ہوئی تھی۔ آزادی ہند میں منصوبہ بندی کے تحت کشمیر کی حدود متعین نہ ہوسکیں چنانچہ ہندوپاک کے درمیان یہ ایک معمہ بن گیا جو آج تک سیاسی دلدل میں پھنسا ہوا ہے:

کہہ رہا ہے داستاں بے دردی ایام کی
کوہ کے دامن میں وہ غم خانہ دہقان پیر

صورتحال کو بالائے طاق رکھتے ہوئے میں نے اپنا رخت سفر باندھا اور دلہی سے جموں کیلئے روانہ ہوگیا۔ جموں میں دو دن قیام کیا جس میں ہمارے ہر دل عزیز محترم میاں خان صاحب اور انکے بھتیجے مشتاق صاحب نے بخوبی مہمان نوازی کا حق ادا کیا، ہماری اہل خانہ سے تفصیلی ملاقات ہوئی اور اسلام سے متعلق اشکالات پر گفت وشنید ہوئی جسکا بفضل اللہ والمنہ تشفی بخش نتیجہ موصول ہوا۔ اسی اثنا ایک سخت گیر ہندو وادی افسر نے اسلامی شناخت پر متعصّبانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے سوالات کئے جس سے ناگواری کا احساس ہوا کہ مسلم قوم کے تئیں یہاں کس قدر نفرت پائی جاتی ہے لیکن یہ چوک ہماری ہے کہ ان تک

دین اسلام ہم نے نہیں پہنچایا۔

دو دن کے قیام کے بعد سرینگر کشمیر کے سفر کی شروعات ہوئی اور ۷ گھنٹے پہاڑوں کا یہ سفر اپنے آپ میں ایک انوکھا تجربہ رہا، تنگ راستے اور اندھیری گوفاؤں سے گزرتے ہوئے، تیغ کے سایہ میں پل رہی آبادیوں کا دیدار کرتے ہوئے شام ۴ بجے ہم اپنے عزیز اور میزبان مولانا مبشر ندوی صاحب کے دولت کدہ پہنچے یہ علاقہ سنوار کے نام سے موسوم ہے۔

آنجناب بے صبری سے انتظار کر رہے تھے والہانہ محبت اور استقبالیہ رسومات کا حق ادا کر کے جناب نے گزارش کی کہ چہل قدمی کی جائے، یہ ایک پوش علاقہ تھا جہاں اعلی سیاسی لیڈران رہتے ہیں اس وجہ سے حفاظتی دستہ خاصہ طور پر موجود تھا، پھر میزبان صاحب نے دیگر باشندگان کشمیر سے ملاقات کرائی اور حالات پر ناقدانہ جائزہ لیا گیا۔

عید الاضحیٰ کی وجہ سے وقت کی قلت تھی اور مشاہدات کی طویل فہرست تھی، چنانچہ اگلے دن طلوع آفتاب سے پہلے ہم روانہ ہوئے اور ڈل جھیل کے پاس پہنچے، ڈل جھیل وادی کے درمیان وسیع و عریض جھیل ہے اور تقریبا شہر کا بیشتر حصہ اسی کے کنارے بسا ہوا ہے۔ سیاحوں کی دلچسپی کیلئے یہاں شکارے اور ہاؤس بوٹس ہیں جن میں تمام آسائشیں موجود ہیں اور پر کشش مناظر کا نظارہ کیا جا سکتا ہے، جھیل کے کنارے کئی عظیم بزرگوں کے مقبرے بھی ہیں جن میں امیر کبیر شیخ ہمدانیؒ بھی شامل ہیں جو اہالیان کشمیر کیلئے عقیدت کی جاہ ہیں، ان عقیدت گاہوں میں سب سے اعلی مقام ہے آستانہ عالیہ حضرت بل کا جہاں کے بارے میں مشہور کہ وہاں خاتم النبیین محمد مصطفی ﷺ کے موئے مقدس موجود ہیں۔

یہاں پہنچ کر ہم نے کچھ دیر آرام کیا اور پھر کشمیر یونیورسٹی کا رخ کیا جو کہ قریب میں ہی واقع تھی، کشمیر یونیورسٹی ایک عالمی درسگاہ ہے جہاں ہندوستان و بیرون کے ہزاروں طلبہ زیر تعلیم ہیں، وادی میں علم کی قدر دانی بھی ہے اور علم کے حصول کیلئے کشمیری قوم کی کاوشیں بھی قابل ذکر ہیں۔ یہاں کے نونہالان دنیا جہاں میں علمی مقام کے اعتبار سے بیشتر مسلم قوموں پر فائق ہیں، خداوند نے خوبصورتی کے ساتھ فراست و ذہانت سے بھی اس قوم کو نوازا ہے اور یہاں کی اسلامک یونیورسٹی اور کشمیر یونیورسٹی اسکی جیتی جاگتی مثال ہے۔

احباب سے ملاقات کے بعد ہم نے شالیمار باغ کا رخ کیا۔شالیمار باغ مغل حکمراں جہانگیر نے اپنی زوجہ نور جہاں کیلئے بنوایا تھا۱۳ ایکڑ پر مشتمل یہ وسیع باغ اپنی خوبصورتی میں غیر معمولی مثال رکھتا ہے ،یہاں چنار کے درخت بکثرت موجود تھے جنکے زیر سایہ ایک عجب کیفیت محسوس ہو رہی تھی۔ان درختوں کی تاریخ بھی ۵۰۰ سال یا اس سے بھی پرانی تھی، قدرتی آبشاروں کے درمیان ننھی پریاں لطف اندوز ہو رہی تھیں،نروان کے درختوں پر فاختائیں خدا کی حمد بیان کر رہی تھیں، گلاب اور چمیلی کے پھول فضا کو معطر کئے ہوئے تھے،باد بہار کی موجیں سہانے موسم کی گواہی دے رہی تھیں۔اور یہ نظارہ میرے لئے محو حیرت تھا،ایک احساس تھا جس سے بیدار ہونے کے بعد برادرم ندوی صاحب نے کہا کہ واپسی کی جائے سورج ڈھلنے والا ہے، شام ڈھلتے ہی واپس پہنچے اور میز بان صاحب نے وازوان کا تعارف کرایا یہ یہاں کی مشہور کھانے کی ڈش ہے اور اپنے آپ میں ایک لذت رکھتی ہے۔ بہر کیف یہاں روٹی کا استعمال نا کے برابر ہوتا ہے اور یہاں چاول ہی پر گزر بسر ہے جو کہ ہمارے لئے ایک المیہ سے کم نہ تھا۔

اگلے روز بعد فجر ہم سویرے چہل قدمی کیلئے نکلے اور جھیل کے کنارے پہنچے اس بار یہ اصرار عزیزم افسار وانی صاحب کی طرف سے تھا،تو نیند کی قربانی دینی پڑی۔طلوع آفتاب کا وقت ہو رہا تھا اور چرند پرند کی چہچہاہٹ ماحول کو خوشگوار بنا رہی تھی چارسو ایک خاموشی چھائی ہوئی تھی،باد صبا اپنے آغوش میں وادی کو چھپائے ہوئے تھی،بے ساختہ زبان سے یہ شعر جاری ہوا کہ:

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ،

مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

یہاں سے ہم پری محل اور چشمہ شاہی کیلئے روانہ ہوئے جو وادی کے بلند حصہ پر مغلوں کی بنائی ہوئی یادگار تاریخی ورثہ ہے۔شاہ جہاں کے دور کا بنایا ہوا پری محل اسلامی نقش وتعمیری فن کی ایک مثال ہے اور یہ زمینی سطح سے کافی بلند ہرے بھرے پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔یہاں سے وادی کا نظارہ با آسانی کیا جاسکتا ہے،اسی کے پاس چشمہ ءشاہی ہے جہاں پہاڑوں کے درمیان قدرتی چشمہ ابلتا ہے،اس چشمہ کا پانی انتہائی شیریں اور ٹھنڈا تھا، کافی وقت ہو چکا تھا تو ہم واپس ہو گئے اور شہر میں واقع ایک مشہور مقام لال چوک کا رخ کیا،لال چوک نام تو سنا ہو گا۔

جی ہاں وہی مقام جو بیشتر اخبارات کی سرخیوں میں رہتا ہے،وہی لال چوک جہاں جواہر لال نہرو

نے کشمیری قوم سے آزادی کا وعدہ کیا تھا، وہی لال چوک جہاں حق کی آوازیں بلند کی جاتی رہی ہیں، وہی لال چوک جہاں بہت سے معصوموں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا، وہی لال چوک جہاں ہندوستان کیلئے جھنڈا لہرانا کسی مصیبت سے کم نہیں۔

شہر کے قلب میں واقع لال چوک اہل کشمیر اور زائرین کیلئے توجہ کا مرکز ہے، لال چوک اور جہانگیر چوک اور اطراف میں عوام سے زیادہ فوج موجود رہتی ہے اور یہاں حالات خراب ہوتے دیر نہیں لگتی، لیکن آج کافی بھیڑ تھی اور عوام وخواص کا جم غفیر عید کی تیاریوں میں مصروف تھا، دیر شام واپسی کے بعد ہم نے عید کی نماز کی تیاریاں مکمل کیں، صبح عید تھی اور عرصہ بعد یہ اتفاق تھا کہ میں گھر سے دور کہیں عید منا رہا تھا۔

لیکن عید کی نماز ادا کرتے ہی اس قوم کی بہادری کا احساس ہوا جو بندوق کے دہانوں پر پرامن طریقے سے بلاتفرقہ بارگاہ الہی میں سر بسجدہ ہو رہے تھے، چند ایک جگہوں کے جن میں عید گاہ بھی شامل ہے ماحول تھوڑا خراب ہوا تھا لیکن صورتحال قابو رہی، عید کی نماز سے فارغ ہو کر ہم ہمارے عزیز مولانا اسحاق ندوی صاحب کے یہاں کیلئے روانہ ہو گئے۔

اسحاق صاحب جس علاقہ میں تھے وہ جنوبی کشمیر کا علاقہ اسلام آباد کے پاس تھا، اور یہ سفر قدرے خطرناک بھی تھا چونکہ حالات یہاں کے سنگین تھے اور فوج جگہ جگہ تفتیش کر رہی تھی، گمان ہو رہا تھا کہ

یہ قدم قدم بلائیں یہ سواد کوئے جاناں
وہ یہیں سے لوٹ جائے جسے زندگی ہو پیاری

اسلام آباد کے پاس عزیزم استقبال کیلئے پہنچ گئے اور یہ طے پایا کہ گھر جانے سے قبل جہلم دیکھ لی جائے، ہم کوگرناگ اور ویری ناگ پہنچے جہاں چاروں طرف پہاڑی چوٹیاں زمین پر تخت بچھائے جلوہ افروز تھیں، قلندروں اور اولیاء اللہ کی یہ بستی جہلم کا منبع ہے، یہیں سے جہلم بہتی ہے جو پنجاب سے ہوتے ہوئے دریائے سندھ میں جا کر مل جاتی ہے۔

بڑا حسین منظر تھا قدرتی آبشاروں کے نغموں کا جو روانی کے ساتھ بہہ رہے تھے، ایک نوٹ اردو زبان میں درج تھا کہ یہ جگہ پاک بزرگوں اور ولیء کاملوں کا ٹھکانہ ہے یہاں صفائی کا خاص خیال

رکھیں، عشق حقیقی کی تابندہ مثال یہ وادی حسن و بہجت کا مظہر ہے، جہاں قدم قدم پر صاحب کمال شخصیات کے آستانے ہیں۔ ان بہتے ہوئے چشموں میں وضو کر کے خدا تعالی کی حمد و ثنا بیان کی اور عارضی جنت کا یہ احساس ہمیں حقیقی جنت کا ادراک کرانے لگا کہ یہ بہشت اتنی حسیں ہے تو حسن ازل کی علمبردار جنات النعیم کیسی ہوگی، سورج غروب ہونے کو تھا اور ہم کوہ کے دامن میں پہنچ چکے تھے۔ جہاں آذانوں کی صدائیں گونج رہی تھیں۔ ہم واپس گھر لوٹے اور نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر قربانی کے گوشت کی لذت سے سرشار ہوئے، ایک مشاہدہ یہ ہوا کہ راستے میں گزرتے ہوئے ہر بچہ بوڑھا اور جوان سلام کرتا ہے اور یہ نیکی آج کے معاشرہ میں کم ہی پائی جاتی ہے۔

اگلے صبح عزیزم اسحاق صاحب ہمیں اپنے سیب کے باغ لے گئے جہاں درختوں سے توڑ کر سیب کھانے کا مزہ ہی الگ تھا، وقت کم تھا اور ہمیں واپس سرینگر بھی جانا تھا تو میزبان صاحب سے رخصت ہو کر ہم واپس ہوئے اور مختلف پولیس چوکیوں سے گزر کر سرینگر پہنچے۔

سرینگر میں سابق مدیر تعلیم جناب ظفر صاحب سے ملاقات ہوئی اور حالات حاضرہ جس میں خاص طور پر کشمیر کے حالات و مسائل اور انکے حل پر روشنی ڈالی گئی جس میں انہوں نے کہا کہ کشمیر کی اکثریت وادی کو ہندوستان سے الگ مانتی ہے اور ایک آزاد ملک کا مطالبہ کرتی ہے، یہ اندازہ ہوا کہ آزادی کشمیری قوم کا ایک خواب ہے۔ جسے وہ شرمندہ تعبیر کرنا چاہتے ہیں اور ظلم کی داستانوں میں ڈوبے ہوئے لہو کے فواروں میں لپٹے ہوئے یہ لوگ جنت جیسی سرزمین میں جہنم کا احساس کر رہے ہیں، علامہ اقبال نے فرمایا تھا:

آج وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور و فقیر،
کل جسے اہل نظر کہتے تھے ایران صغیر

تیسری عید کو دہلی واپسی تھی تو رخت سفر باندھا اور احباب سے الوداع کہا۔ ہمارے قریبی اور حقانی شخصیات میں جناب فاروق صاحب اور جناب فیروز و کلیم صاحب ندوی سے مصروفیت کے باعث ملاقات نہ ہوسکی تو انہوں نے دوبارہ آنے کا وعدہ لیکر معاف کیا۔

آخر میں شکر گزار ہوں جناب مبشر ندوی صاحب اور جناب افسار فیضان صاحب اور جناب

اسحاق ندوی صاحب کا جنکی بدولت اور خدا تعالی کے فضل و کرم سے باحفاظت یہ سفر کامیاب رہا والحمد للہ رب العالمین۔

چمن سے روتا ہوا موسم بہار گیا،
شباب سیر کو آیا تھا سو گوار گیا

اسلامی جمہوریہ ملیشیا میں چند ایام

جنوب مشرقی ایشیا میں واقع ایک خوبصورت اسلامی ملک ملیشیا کا یہ سفر محض ایک سیاحتی سفر نہیں بلکہ علمی وتجارتی سفر رہا جس کے تجربات و مشاہدات سے براہ راست نونہالان ملت استفادہ کر سکتے ہیں اور مستقبل قریب کے لئے ایک دستاویز ہے جس میں خذ ما صفی و دع ما کدر کے اصول پر چلتے ہوئے بہت سی خوبیاں اور خامیاں ہیں اور راہی کو چاہیئے کہ وہ جستجو میں رہے منزل کا طلبگار نہ ہو رستے کا مزہ لے۔

ملیشیا کی مختصر اسلامی تاریخ

اسلام 15ویں صدی میں ملائشیا آیا، جب عرب سلطنت اور ہندوستانی تاجر تجارتی راستوں کے ذریعے ان علاقوں میں آئے۔ ابتدائی طور پر اسلام ملائشیا میں مالائی حکمرانوں کے ذریعے آیا، جن میں برطانوی کالونائزیشن کے زمانے کے مقامی لوگ بھی شامل تھے، جیسے سلطان مظفر شاہ، انہوں نے اسلام کو اپنے ملک میں فروغ دیا اور اس کی تعلیمات کو مقامی لوگوں میں متعارف کرایا۔ یہ دور اسلامی ثقافت اور روایات کے لیے ایک اہم مرحلہ تھا۔

اسلامی ریاستوں کی تشکیل: 16ویں صدی کے بعد، ملائشیا میں اسلامی ریاستیں اور سلطنتیں قائم ہوئیں جنہوں نے اسلامی قوانین اور اصولوں کو اپنے نظام زندگی میں شامل کیا۔ ان ریاستوں میں ملایا، جوہر، کداح، اور پرک کے علاقے شامل تھے۔

سفارتی اور تجارتی روابط: ملائشیا کے ساتھ اسلامی ممالک کے روابط نے بھی اسلام کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ عرب اور ہندوستانی تاجروں نے نہ صرف تجارت کی بلکہ اسلامی ثقافت اور تعلیمات کو بھی پھیلایا۔

سائمن کی آمد اور نوآبادیاتی دور: 18ویں صدی کے آخر اور 19ویں صدی کے آغاز میں یورپی طاقتوں، خاص طور پر برطانویوں، نے ملائشیا پر قبضہ کر لیا۔ اس دوران، اسلام کو بعض چیلنجز کا سامنا کرنا پڑا، لیکن اس کے باوجود اسلامی تعلیمات اور ثقافت برقرار رہی۔

آزاد ملائشیا: 1957 میں ملائشیا نے برطانوی نوآبادیاتی حکمرانی سے آزادی حاصل کی۔ آزادی کے بعد، ملائشیا نے اسلام کو اپنے قومی تشخص کا اہم حصہ قرار دیا اور اسے ملک کے سرکاری مذہب کے طور پر تسلیم کیا۔ ملائشیا میں اسلام کی تاریخ اس بات کی عکاس ہے کہ کیسے اسلامی ثقافت اور اصول ملائشیا کے معاشرتی اور قانونی نظام کا حصہ بنے، اور ملک کی ترقی اور شناخت میں ایک کلیدی کردار ادا کیا۔

سرکاری مذہب: ملائشیا کا مذہب اسلام ہے، اور اس وجہ سے ملک اسلامی اصولوں کے مطابق چلایا جاتا ہے۔ اس ملک کے تمام رہائشیوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اسلام کی ثقافت اور عملی طریقوں پر عمل کریں، حالانکہ یہاں مختلف مذاہب کے پیروکار بھی موجود ہیں۔

اسلامی قوانین: ملائشیا میں شریعت صرف ذاتی نوعیت کے معاملات جیسے شادی، طلاق، اور وراثت تک محدود ہے۔ عدالتیں صرف مخصوص مسائل پر اسلامی قانون کا نفاذ کرتی ہیں، اور ملک میں دو سطحی قانونی نظام موجود ہے، جو شہری قوانین اور اسلامی قوانین پر مشتمل ہے۔

تعلیم اور مذہبی سرگرمیاں: ملائشیا میں اسلام کی ترویج کے لیے بہت سے تعلیمی ادارے، مساجد، اور مذہبی تنظیمیں قائم کی گئی ہیں۔ ریاست اور مختلف تنظیمیں اسلامی اصولوں کو فروغ دینے کے لیے بڑی کوششیں کر رہی ہیں۔

ثقافتی اثرات: اسلامی روایات اور عادات ملائشیا کی ثقافت پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہیں۔ اسلامی تہوار جیسے عید الفطر اور عید الاضحیٰ یہاں بڑے جوش و خروش سے منائے جاتے ہیں، اور اسلامی رہنمائی کے تحت سماجی اقدار کو فردی مفادات پر ترجیح دی جاتی ہے۔

سماجی اصول: معاشرت میں اسلام کے اصول انصاف، برابری، ایمانداری، اور شفقت پر زور دیتے ہیں، جو ملائشیا کی سماجی زندگی میں واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ سماجی سرگرمیاں اسلامی اخلاقیات اور روایات کے مطابق انجام دی جاتی ہیں۔

سفرنامہ

سفر کی ابتداء کوالالمپور سے ہوئی جو کہ ملیشیا کی دار الحکومت ہے اور ٹوکیو کے بعد مشرقی ایشیا کا دوسرا سب سے بڑا شہر ہے، قیام ابتدائی ایام میں یوٹی ایم یونیورسٹی کے ہوٹل میں رہا جہاں کا ماحول کافی خوشگوار تھا مگر اشیائے خورد ونوشت کو لیکر کافی دشواری کا سامنا کرنا پڑا چونکہ سمندری غذائیں ہمارے لئے بد ھضمی سے کم نہ تھیں، بہرحال یہاں کا موسم اور آب وہوا سال کے بارہ ماہ تقریبا یکساں ہیں، ہلکی بوندا باندی میں شام کے وقت چہل قدمی کے لئے نکل جاتے تو چوطرفہ خوبصورت کیمپس اور سرسبزی وشادبی کا نظارہ ہوتا، کیمپس کے سامنے ایک عظیم الشان مسجد تھی جس کی تعمیر قدیم اور جدید کے سنگم سے ہوئی تھی اور مسجد میں ہی دیگر شعبے جیسے حفظ اور اسلامیات اور علوم کے شعبے قائم تھے جن میں طلباء کے ساتھ ساتھ زائرین بھی مستفید ہوسکتے ہیں، شہر کے دورے پر نکلا تو پتہ پوچھتے عرب روڈ پہونچ گئے جہاں کچھ جدت نظر آئی، آگے ایک ہجوم کا عالم برپا تھا اور نعرے بازی ہورہی تھی قریب پہونچنے پر معلوم ہوا کہ شہید ملت اسماعیل ہانیہ کی شہادت پر یہ انقلابی احتجاج کیا جارہا ہے جس میں ہر رنگ ونسل کے مرد وزن شامل ہیں، رگوں میں ایک جنبنش سی ہوئی اور رونگھٹے کھڑے ہوگئے کہ ملت میں ابھی بھی زندہ دل قومیں ہیں جو حق کی اٰواز بلند کرتی ہیں اور ظاہر ہے کہ سرکاری اجازت بھی ہے، اور یہ انقلابی آوازیں اسرائیلی ریستوراں کے باہر پرجوش انداز میں لگائی جارہی تھیں چونکہ ہمارے ممالک میں یہ سب ایک خواب کے مانند ہے کہ حق کے لئے آواز بلند کرنے والے اکثر غدار کہلائے جاتے ہیں، یہ علاقہ تقریبا مرکز ہے جہاں عرب وعجم یکساں طور پر آباد ہیں اور کافی وسیع پیمانہ پر مارکیٹ اور شوپنگ سنٹرز ہیں، چائے پینے کے لئے ایک بنگالی ہوٹل میں پہونچے تو ایک یمنی عرب (علی) سے ملاقات ہوئی جو کہ سیاح تھے اور مختلف ممالک کا سفر کرتے ہوئے ملیشیا پہونچے تھے، چونکہ آنجناب نے کافی عرصہ سعودی عرب میں گزارا تو کافی مانوس ہوئے اور شام کے عربی دسترخوان پر ہمیں مدعو کیا، وہیں ان کے ساتھ ایک مغربی سیاح (عبد القدیر) بھی حاضر تھے جو ہم دونوں سے عمر اور تجربہ دونوں میں سینئر تھے اور بیتے دو ماہ سے وہ صرف مشرقی ایشیائی ممالک

میں سفر کر رہے تھے جس میں کوریا سے لیکر فلپین اور تھائلانڈ وانڈونیشیا شاملہیں،انہوں نے ان تمام ملکوں کے درمیان ہوئے واقعات اور متفرقات کا ذکر کیا جس سے خطہ ءارض کے اس نقشے کے بارے میں مفید معلومات فراہم ہوئی،انوکھے قوانین کے ساتھ ان ملکوں میں کچھ ممنوعات ہیں تو کچھ آسائیشیں جو سمجھ سے بالاتر ہیں، بہر حال ٹیکسی کر کے ہم تینوں افراد شہر کا جائزہ لیتے ہوئے پٹروانس ٹاور پہونچے جوٹوین ٹاورز کے نام سے معروف ہے اور جدید دور کی بے مثال تعمیر ہے، چوطرفہ فلک بوس عمارتیں اور مصنوعی آبشاروں کے رقص کے درمیان ایک دنیاوہاں موجودتھی جس میں تقریباہر نسل ورنگت کا انسان تصویر کشی میں منہمک تھا، بہر کیف یہاں مقصد محض ایک وہ ترقی دیکھنی اور دکھانی ملحوظ تھی جس کو کسی حدتک عربوں نے تو حاصل کیا لیکن دیگر مسلم ممالک میں بہت نادر رہے، لیکن جہاں معلوم ہوا کہ یہاں کی معیشت کا90 فیصد کنٹرول چینیوں کے ہاتھ میں ہے جو ڈ.ینصور کی پرستش کرتے ہیں اور ہر بہترین سوسائٹی میں ان کے بڑے اور وسیع معبدے قائم ہیں تو افسوس ہوا کہ اپنی قوم یہاں اکثریت میں ہونے کے باوجود اور حکومت میں ہونے کے بعد بھی وہ کامیابی نہ حاصل کرسکی جو یہاں کی اقلیت نے حاصل کی،وجوہات تو بہت ہونگی لیکن جو ہندوستان میں جین اور پارسی قوم کا حال ہے تقریباوہی حال یہاں چینیوں کا ہے،اگلے روز جامعہ اسلامیہ ملیشیا جانا ہوا، جہاں ندوی وقاسمی حضرات سے ملاقات رہی جو جامعہ میں زیر تعلیم ہیں اور فقہ وحدیث کے شعبے سے منسلک ہیں، جن میں ساجد ندوی اور مفتی عمیر قاسمی قابل ذکر طلباء ہیں، جہاں ان حضرات نے جامعہ کے خوبصورت کیمپس کا مشاہدہ کرایا، وہیں جناب عمیر صاحب نے تفصیلی طور پر یہاں کے درس وتدریسی نظام سے متعارف کرایااور دیگر ممالک کے جن میں افریقہ اور فلسطین اور عرب طلباء تھے ملاقات کروائی اور ادارہ کے حالات اور سرگرمیوں کے بارے میں اطلاع دی، چونکہ فکر اسلامی کے تعلق سے ہم ندوہ کے زمانے سے ہی کوشش کرتے آئے ہیں کہ ہم عصر طلباء اور اساتذہ کے تجربات سے مستفید ہوں اور ملی ودینی سرگرمیوں میں کہیں نہ کہیں حاضری دیں، اتفاق سے اسی روز ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کا رحمت عالم کانفرنس میں خطاب تھا تو اردوداں طلباء وہاں شریک تھے اور چہل پہل کم تھی، اگلے روز کچھ تجارتی سرگرمیوں کے سلسلہ میں کلانگ پورٹ جانا ہوا جہاں سمندری جہازوں کے قطاروں کے درمیان واقع سی ایف ایس میں بحری ملاحوں اور درآمد برآمد کے معتبر ذرائع سے معلومات حاصل کی گئیں، ملیشیاواقعی میں ایک پرامن اور سرسبز وشاداب جگہ ہے اور بے نظیر پہاڑوں اور وادیوں کے درمیان اس کا یہ شہر کوالالومپور شامل ہے، باتو کی غاروں سے گزرتے ہوئے ایک مجسمہ دیکھا جہاں ہندومت کے دیوتا کی پرستش کی جاتی ہے، یہ دلیل ہے کہ یہاں مذہبی آزادی ابتدائی دور سے ہی رہی ہے،

شام ڈھلتے ہماری ملاقات ڈاکٹر زہیر سے ہوئی جو ایک موٗقر عالم کے فرزند بھی ہیں اور ملیشیا میں علمی وعلومی میدان میں کامیاب شخصیت مانے جاتے ہیں، ان کے یہاں عشائیہ کے بعد معلوم ہوا کہ وہ جس کولونی میں مقیم ہیں وہ قادیانیت زدہ علاقہ ہے، اور وہ اپنی تعلیمات خفیہ طور سے عام کرتے رہتے ہیں، وہیں اگلے دو دنوں میں عالمی تبلیغی اجتماع بھی تھا تو آپس میں ہم طلباء علوم اسلامیہ نے اس بات پر تبصرہ کیا کہ کاش ملی مفاد میں یہ جماعت اپنے دائرے سے باہر آ کر بھی ملت کو فائدہ پہونچاتی، الغرض جمعہ کا دن آ گیا اور ہم وعزیز رہبر مسجد سلطان صلاح الدین عزیز شاہ عالم میں نماز جمعہ ادا کرنے پہونچے، مسجد کی خوبصورتی اور تعمیری سٹر کچر کو دیکھنے میں منہمک ہوگیا جو واقعی اپنے آپ میں بے مثال تھی، نیلا گنبد اور چار مینار پر بنی یہ مسجد کئی ایکڑ میں پھیلی ہوئی تھی، اور اسی میں مدرسہ اور ادارہ فلاح قائم تھا، مسجد میں خطبہ جمعہ ملائے زبان میں ہوا جس میں قرآنی آیات کے سوا شاید ہی کوئی لفظ سمجھ آیا ہو، تعجب بھی ہوا کہ ہندوستان کی طرح یہاں عربی میں دومنٹ کا بھی خطبہ نہیں دیا گیا، اور عام زبان میں ہی پورا خطبہ پڑھا گیا، ملیشیا کا سرکاری مذہب شافعی مسلک سے ہے مگر ماقبل ذکر گیا کہ ہر فرد کو مذہبی آزادی ہے اور ملحد ہونے کا بھی اختیار ہے، لیکن اچھی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے جہاں آزادی اظہار رائے ہے وہیں ان کے لئے بغیر سود کے بینکنگ کی اور فائنانس کی سہولیات موجود ہیں، اور ایک ادارہ ہے شاہ عالم میں جو بینک میں کی گئی جمع رقم پر زکاۃ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ایک اوسط نکال کر فرد کو حج کا فریضہ بھی پورا کرا دیتا ہے، بہرحال دو دن مزید جامعہ میں قیام کرنے کے بعد اور اس سے متصل وادیوں میں سیر کرنے کے بعد ہم نے واپسی کا رخت سفر باندھا کہ اب وقت آ گیا تھا کہ کوچۂ جاناں کا رخ کیا جائے۔

حوالہ جات

[۱] روزنامہ سہارا

[۲] روزنامہ انقلاب

[۳] روزنامہ عزیز الہند

[۴] روزنامہ صحافت

[۵] روزنامہ متاع آخرت

[۶] روزنامہ سیاست

[۷] روزنامہ ممبئی اردو نیوز

[۸] روزنامہ آگ

[۹] پندرہ روزہ شہر نشاط کولکتہ

[۱۰] ہفت روزہ ملی بصیرت

[۱۱] ماہنامہ نوائے اڑیسہ

[۱۲] ماہنامہ ہدی ٹائمز میگزین

[۱۳] بصیرت فیچرس

[۱۴] ملت ٹائمز

[۱۵] قندیل

[۱۶] ساحل اونلاین

[۱۷] دی فریلانسر

روز اول سے جس مذہب کی بنیادی طاقت
اباء واجداد کی قدامت پرستی کو ختم کر
دین الہی کو قائم ودائم کرنے میں صرف
کی گئی تھی عصر حاضر میں وہی روش
دوبارہ اپنا تنہ مضبوط کر رہی ہے فرق
محض اتنا ہے کہ وہ نکیر ابدی تھی اور
جحد و عناد ظاہر تھا اور اب مذہب کے
زیر سایہ ہے، پہلے مذہب کو نشانہ بنایا جاتا
تھا اور اب مذہب کے نام پر نشانہ آرائی
ہوتی ہے، یہی وہ قدامت پرستی تھی جس
نے قریش کو اس قدر جحد و کفر میں مبتلا
کیا کہ انکا ماننا تھا ماوجدنا علیہ آباؤنا اسی
پر اندھا ایمان تھا جس کے مفہوم سے نہ
تو خود وہ واقف تھے اور نہ ہی دوسروں
کو تسلی و تشفی و اطمینان دلاسکتے تھے، قرآن
کریم جو کہ کتاب ہدایت ہے اور جسکی
ترجمانی و تفسیر احادیث نبویہ کرتی ہیں اسکے
علاوہ تمام دقیانوسیانہ و فلسفانہ اصطلاحات و
تعلیمات کو مذہب خداوندی نے جدا کردیا۔
HBD
HIRA BOOK DEPOT
Tagore Marg, Shabab Market, Lucknow
@hira_book_depot +91 7007892005
MRP ₹ 240.00
9788198047014